ISSN: 2321-8339
اکتوبر۔دسمبر ۲۰۲۰ء

ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

حالاتِ حاضرہ میں مکی عہد نبویؐ سے رہ نمائی
سید جلال الدین عمری

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی: وژن، مشن اور منصوبے
ادارہ

تشریحاتِ نبویؐ کی اقسام اور ان کا فقہی تجزیہ وتحلیل
پروفیسر محمد سلیم قاسمی

ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمیؒ کی علمی خدمات
سید جلال الدین عمری

بین الاقوامی تعلقات اور اسلامی قانون
ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

سنوسی تحریک: تاریخ، خدمات اور اثرات
جناب احمد حماد ہاشمی

اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری۔ایک تجزیاتی مطالعہ
جناب محمد احمد اللہ بخاری/ مترجم: ڈاکٹر محمد امان اللہ محمد ثناء اللہ

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔ امام انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیام امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ـــــــــــــ دسمبر ۲۰۲۰ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ــ ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۹ شمارہ: ۴

ربیع الاول ——— جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۲۰ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر اپ لوڈ ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: +91-9897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

- اکاؤنٹ نمبر: Tehqeeqat-e-Islami, Union Bank of India:

Muslim University Branch, Aligarh

A/C No. 452201010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۵۰ روپے
سالانہ	۲۰۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں و ادارے)	۳۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی) ۲۵/ امریکی ڈالر

سالانہ (ادارے) ۳۰/ امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی) ۳۰/ امریکی ڈالر

سالانہ (ادارے) ۳۵/ امریکی ڈالر

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپوا کر

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

حرف آغاز

حالات حاضرہ میں مکی عہد نبوی سے راہ نمائی — سید جلال الدین عمری — ۵

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی: وژن، مشن اور منصوبے — ادارہ — ۱۴

تحقیق و تنقید

تشریحاتِ نبوی کی اقسام اور ان کا فقہی تجزیہ و تحلیل — پروفیسر محمد سلیم قاسمی — ۱۹

ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمیؒ کی علمی خدمات — سید جلال الدین عمری — ۳۷

بحث و نظر

بین الاقوامی تعلقات اور اسلامی قانون — ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — ۵۱

سنوسی تحریک: تاریخ، خدمات اور اثرات — جناب احمد حماد ہاشمی — ۶۹

[ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے افکار کا مطالعہ]

ترجمہ و تلخیص

اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری۔ ایک تجزیاتی مطالعہ — جناب محمد احمد اللہ بخاری — ۹۵

مترجم: ڈاکٹر محمد امان اللہ محمد ثناء اللہ

تعارف و تبصرہ

برِّ صغیر کے فضلاء کی قرآنی خدمات سیریز — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۱۰۹

خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۷۷) — ادارہ — ۱۱۵

سالانہ فہرست سہ ماہی تحقیقات اسلامی ۲۰۲۰ء — ۱۱۷

مضامین کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔پروفیسر محمد سلیم قاسمی

ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

msaleem196330@gmail.com

۲۔ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلو، شعبۂ دینیات (سنی)، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

zafardarik85@gmail.com

۳۔جناب احمد حماد ہاشمی

پی ایچ ڈی اسکالر، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد (پاکستان)

ahhashimi@gmail.com

۴۔ جناب محمد احمد اللہ بخاری

اسسٹنٹ پروفیسر، اسکول آف عربک اینڈ اسلامک اسٹڈیز، بی۔ایس۔عبدالرحمن کریسنٹ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، چنئی، تامل ناڈو

ahamadullah@creasent.education

۵۔ ڈاکٹر محمد امان اللہ محمد ثناء اللہ

استاد عربی ادب، جامعہ محمدیہ، منصورہ، مالی گاؤں (مہاراشٹر)

amanullahalfaiz@yahoo.com

۶۔ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

معاون مدیر سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ

mrnadvi@gmail.com

۷۔سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

حالاتِ حاضرہ میں مکی عہد نبوی سے راہ نمائی

سید جلال الدین عمری

القلم دوحہ قطر ایک تعلیمی اور دعوتی ادارہ ہے۔اس نے مؤرخہ ۳۰؍جولائی تا۲۸؍اگست ۲۰۲۰ء آن لائن سیرت کانفرنس کا اہتمام کیا،جس میں ہر ہفتہ کسی صاحب علم کا خطاب ہوتا۔ اس عاجز کے لیے عنوان تجویز ہوا 'رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی اور موجودہ حالات'۔میں نے اپنا خطاب ریکارڈ کرادیا اور وہ ۴؍ستمبر ۲۰۲۰ء کو شب کے ۹ بجے نشر ہوا۔ اب اسی کو کسی قدر حذف و اضافہ کے بعد یہاں پیش کیا جارہا ہے۔(جلال الدین)

حجاز کے مشہور شہر مکہ مکرمہ میں حضرت محمد ﷺ کی ولادت عام الفیل ۵۷۱ء میں ہوئی۔ ۱۰؍اگست ۶۱۰ء کو آپ رسالت سے سرفراز ہوئے۔مکہ ہی میں آپ فرائض رسالت انجام دیتے رہے۔تیرہ سال بعد آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ مدینہ میں دس سال قیام رہا اور اسلامی ریاست قائم کی،جو تاقیامت دنیا کے لیے مثالی ریاست رہے گی۔ہجرت کے گیارھویں سال ۱۲؍ربیع الاول کو آپؐ نے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔

اس وقت آپ کے مکی دورِ رسالت کا مطالعہ پیش نظر ہے۔موجودہ حالات میں ہمیں اس سے راہ نمائی حاصل کرنی ہے۔

بعثت سے قبل اہل عرب کا حال

ا۔رسول اکرم ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی بعثت ساری دنیا کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔آپ کے اولین مخاطب اہل عرب تھے،جن میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ اہل عرب منکر خدا نہ تھے۔ وہ اسے خالق کائنات اور قادر مطلق سمجھتے تھے۔اس کے باوجود مبتلائے شرک تھے اور بہت سے خداؤں کی پرستش

کرتے تھے۔ اس بے عقلی میں وہ کوئی تضاد نہیں محسوس کرتے تھے: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ۔ یوسف: ۱۰۶ (ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے تو ہیں، لیکن اس کے ساتھ وہ اس کے شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔)

۲۔ ان کا نسلی تعلق جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے تھا، اس کے باوجود وہ رسالت کے قائل نہ تھے۔ وہ آپ ؐ کو صادق وامین تو مانتے تھے، لیکن آپ کی دعوت ورسالت کو اپنے لیے سخت مضرت رساں تصور کرتے تھے اور کسی قیمت پر اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

۳۔ آخرت اور جزا وسزا کا تصور ان کے لیے ناقابل قبول تھا۔ وہ اس بات کو بعید از امکان سمجھتے تھے کہ یہ دنیا ختم ہوجائے گی اور ایک دوسری دنیا وجود میں آئے گی اور انسان اپنے نیک اعمال کی جزا اور غلط روی کی سزا پائے گا۔

۴۔ اہل عرب کے نزدیک اس دنیا کے آگے کسی اور دنیا کا تصور نہ تھا۔ وہ یہاں کے عیش وعشرت ہی کو حاصلِ حیات سمجھتے تھے۔ جو شخص اس سے جتنا فائدہ اٹھائے وہ ان کے نزدیک اتنا ہی ہوش منداور خوش قسمت تھا۔ لہوولعب، زنا، بدکاری، قمار بازی اور شراب نوشی جیسی خرابیاں ان میں عام تھیں۔ وہ ایک ہی سرزمین پر رہتے ہوئے مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ ان کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی رہتی۔ قتل وغارت گری کا نہ رکنے والا سلسلہ جاری تھا۔ ان کے درمیان زیردستوں کے حقوق محفوظ نہ تھے۔ مشکل ہی سے مظلوموں کی دادرسی ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت

ان ناخوش گوار حالات میں رسول اللہ ﷺ نے توحید، رسالت اور آخرت کا عقیدہ پیش کیا کہ یہ دنیا اور آخرت کی فلاح کا وہ راستہ ہے جس کی راہ نمائی اس کائنات کے مالک نے کی ہے، اسی سے دنیا کا نظام بہتر ہوسکتا ہے، امن وامان اور عدل وانصاف کا قیام ممکن ہے اور انسانوں کے حقوق کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ اسے قبول کرکے انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی حاصل کرے گا اور آخرت میں بہترین اجر وثواب

کا مستحق ہوگا، ورنہ روزِ محشر اسے اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اسی طرح جو قوم اسے قبول کرے گی وہ دنیا میں سربلند ہوگی اور پستی سے نکل کر حکومت و فرماں روائی کے مقام تک پہنچے گی۔ جو قوم اسے رد کر دے گی، دنیا کا خسران اس کا مقدر ہوگا اور عذابِ آخرت میں وہ گرفتار ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ کے اس دین کی تبلیغ و دعوت کا حکم تھا۔ کھل کر اور برملا اسے پیش کرنے کی تلقین و تاکید تھی۔ اس راہ کی مشکلات اور مصائب کو صبر و ثبات اور پامردی کے ساتھ برداشت کرنے اور ہر حال میں اسے جاری رکھنے کی ہدایت تھی۔ آپ اس ہدایت پر عمل پیرا تھے۔ عقیدہ اور مذہب کی تبلیغ و اشاعت اور اپنے افکار و خیالات کا اظہار انسان کا فطری حق ہے۔ آپ کے مخالفین اسے نہیں تسلیم کر رہے تھے۔

مخاطبین کا ردعمل

رسول اللہ ﷺ دلائل سے اپنی دعوت پیش فرما رہے تھے۔ حکمت و دانائی اور وعظ و نصیحت کی راہ آپ نے اختیار کی تھی۔ آپ انتہائی اخلاص اور درد و سوز سے راہِ حق دکھا رہے تھے اور قوم کی فلاح و خیر خواہی میں خود کو گھلا رہے تھے۔ قرآن مجید کا بیان ہے: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ الشعراء: ۳ (شاید تم اپنے آپ کو ہلاک کر لوگے، اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں اور ایمان نہ لائیں) اس کے باوجود قوم کی طرف سے ضد، ہٹ دھرمی اور مکابرت کا رویہ جاری تھا۔ وہ آپ کو دشمن اور بدخواہ کہنے کی جرأت تو نہیں کر سکتے تھے، لیکن جیتے جی آپ کی دعوت کو پھیلتے اور فروغ پاتے دیکھنا نہیں چاہ رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو اس سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آپ کو دولت و ثروت کی، قوم کی قیادت اور سرداری کی اور اونچے سے اونچے خاندان سے ازدواجی رشتہ کی پیش کش کی۔ آپ نے اسے ٹھکرا دیا۔ فرمایا: ”تم جو متاعِ دنیا پیش کر رہے ہو اس کی میری نگاہ میں پرِ کاہ کی بھی حیثیت نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر اگر تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دو تو بھی میں اس دعوت سے باز

نہیں آ سکتا۔ یہ کامیاب ہو کر رہے گی یا میری جان اسی راہ میں چلی جائے گی۔‘‘ اس عزم کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

مخالفین ہی میں سے اہل ایمان پیدا ہو رہے تھے

رسول اکرم ﷺ کے مخالفین کے لیے سب سے زیادہ تشویش اور پریشانی اس بات سے لاحق تھی کہ خود ان کی صفوں سے، ان کے گھروں سے، ان کے بھائی بند، ان کے دست و بازو اور ان کے جگر گوشے آہستہ آہستہ اس دعوت کو سینے سے لگا رہے تھے۔ اس کے لیے وہ ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے، لیکن اس سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس طرح زمین ان کے چاروں طرف سے سمٹتی جا رہی تھی۔ پھر بھی وہ اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ ان کا اقتدار بہر حال باقی رہے گا:

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ

(الانبیاء: ۴۴)

(کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے جا رہے ہیں۔ (پھر بھی) کیا وہ غالب ہی رہیں گے)

جب کسی قوم کی شامت آتی ہے تو اسے اپنا مستقبل ہمیشہ محفوظ اور تابناک ہی نظر آتا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس کا اقتدار دائمی ہے، اس پر کبھی زوال نہیں آئے گا۔ وہ نوشتۂ تقدیر نہیں دیکھ پاتی اور اپنے انجام بد کو پہنچ کر رہتی ہے۔

اہل ایمان کی تربیت

رسول اللہ ﷺ نے مکی دور میں حسب ذیل اقدامات کیے:

ایک یہ کہ جو سلیم الفطرت افراد آپ پر ایمان لائے، جنھوں نے آپ کی دعوت قبول کی اور آپ کی رفاقت کا عہد کیا، آپ نے ان کا ’تزکیہ‘ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کیا۔ ان کے اندر تقویٰ اور طہارت کی آب یاری کی، خشوع و خضوع اور انابت کی کیفیت پیدا کی اور احکام الٰہی کی اطاعت کے پاکیزہ جذبہ

سے انہیں سرشار کیا۔ ان کی اس طرح دینی اور اخلاقی تربیت فرمائی کہ ان کا دامن، جَور و بے داد، بدکاری، حق تلفی، شقاوت و سنگ دلی، کذب و افتراء اور مکر وفریب جیسی ان خرابیوں سے پاک تھا جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف اسی تربیت سے ان کے اندر صبر و تحمل، ایثار وقربانی، عفت و عصمت، راست بازی، حقوق کی پاسبانی، اخوت اور ہم دردی، محبت ورافت جیسی اعلیٰ صفات جلوہ گر ہوگئیں۔

صحابۂ کرام کی زندگی نمونہ تھی

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی زندگی اس بات کا زندہ ثبوت فراہم کررہی تھی کہ آپ کی دعوت کے نتیجہ میں کس طرح کے افراد تیار ہوتے ہیں اور کس قسم کا معاشرہ وجود میں آتا ہے؟ لیکن دشمنی اور عناد میں آپ کے مخالفین اس طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے ان پاک نفوس پر جور وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے اور اپنی بالا دستی کے گھمنڈ میں سرشار تھے۔

غیر مسلموں کا تعاون

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعلان رسالت اور تبلیغ عام کے بعد آپ کی ہر طرف سے شدید مخالفت شروع ہوگئی اور اللہ کا دین اس کے بندوں تک پہنچانے میں سخت دشواریاں پیش آنے لگیں۔ ان نازک حالات میں آپ کے چچا جناب ابوطالب نے، جو دین آباء ہی پر قائم تھے، آپ کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا۔ وہ بنو ہاشم کے سردار تھے، اس وجہ سے پورے قبیلے نے ان کا ساتھ دیا۔ ان سب کی حمایت آپ کو حاصل رہی۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد ابوطالب دس برس حیات رہے اور دم واپسیں تک ان کی حمایت جاری رہی۔ سماج میں ان کے مرتبہ ومقام کی وجہ سے مخالفین آپ کے خلاف کوئی آخری قدم اٹھا نہیں پا رہے تھے۔ حالات کی سنگینی اور سخت کش مکش کے باوجود رسول اللہ ﷺ دعوت وتبلیغ کا فرض مسلسل انجام دیتے رہے۔

ابوطالب کی وفات کے بعد اہل مکہ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں زیادہ شدت آ گئی۔مکہ میں آپ کا قیام مشکل ہوگیا۔آپ نے طائف کا سفر کیا اور وہاں کے سرداروں کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور اس کام میں حمایت کی درخواست کی۔لیکن طائف کے سردار آپ کا مذاق اڑانے لگے اور آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے صاف منع کر دیا۔آپ کے پیچھے وہاں کے اوباش لگ گئے اور سنگ باری شروع کردی، جس سے آپ کے قدم ہائے مبارک زخمی ہوگئے۔ یہ بڑی دردناک داستان ہے۔اب آپ کے لیے مکہ واپسی مشکل ہوگئی۔آپ نے بعض سردارانِ قبائل سے درخواست کی کہ وہ آپ کو تحفظ فراہم کریں۔انہوں نے معذرت کرلی۔ بال آخر مطعم بن عدی نے آپ کو پناہ دی اور آپ مکہ واپس تشریف لائے۔مکہ والوں کو اس پناہ کا احترام کرنا پڑا۔اس طرح کا حسن سلوک اس نے شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کی محصوری میں بھی کیا تھا۔آپ نے اس کے اس سلوک کو یاد رکھا۔

قبایلِ عرب سے آپ کی درخواست

حج کے زمانہ میں مکہ سے باہر کے جو قبائل آتے آپ ان سے ملاقات کرتے اور اللہ کا دین ان کے سامنے پیش کرتے اور اسے پھیلانے میں ان کی حمایت کی درخواست کرتے۔حضرت جابر بن عبداللہؓ آپ کی اس درخواست کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> من یووینی، من ینصرنی حتی ابلّغَ رسالة ربی وله الجنة۔(مسند احمد: ۹۷/۴/۱۔حدیث نمبر ۱۴۲۴۳)
>
> (کون ہے جو مجھے [اپنے ہاں] جگہ دے اور کون ہے جو میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں۔اس شخص کو جنت ملے گی۔)

اسی کوشش کے نتیجہ میں مدینہ کے قبائل اوس وخزرج سے آپ کا تعلق قائم ہوا اور آپ نے ہجرت فرمائی۔اس نے اسلام کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔

مکہ کے نازک حالات میں حضرت ابوبکرؓ کو ابن الدغنہ نے پناہ دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ انہیں گھر میں بھی بآوازِ بلند قرآن مجید پڑھنے کی اجازت نہیں ہے تو انہوں نے اسے رد کردیا۔ حضرت عمرؓ کو ان کے ماموں کی حمایت حاصل ہوئی اور حضرت عثمانؓ کو ولید بن مغیرہ نے پناہ دی۔ یہ اصحاب اس پناہ سے جلد ہی نکل آئے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اسے غلط سمجھتے تھے، بلکہ انہوں نے مناسب نہ جانا کہ عام مسلمان ہر طرح کی اذیتیں برداشت کررہے ہوں اور وہ کسی غیر مسلم کی پناہ میں رہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مکی دور میں جو طریقۂ کار اپنایا اس سے حسب ذیل رہ نمائی ملتی ہے:

۱۔امت مسلمہ اللہ تعالیٰ کے دین کی حامل ہے۔اس کی زندگی اس سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔اسے خیر امت کہا گیا ہے۔اس کی سیرت و کردار سے اس کا ثبوت ملنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کی حفاظت کا انتظام فرمادیا ہے۔ وہ تا قیامت محفوظ رہیں گی۔جو شخص بھی اسلام کی حقیقی تعلیمات سے واقف ہونا چاہے وہ ان کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ امت مسلمہ کو اس کا عملی نمونہ ہونا چاہیے، لیکن افسوس کہ اس کے عمل سے اس کا ثبوت نہیں مل رہا ہے، بلکہ بسا اوقات وہ اس کی غلط تصویر پیش کرتی ہے۔ اس سے یہ خیال بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ کا دین موجودہ حالات میں ناقابل عمل ہے، اس کے ماننے والے بھی اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ یہ تبلیغ دین کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اسے دور ہونا چاہیے۔

اس میں شک نہیں کہ امت کی تجدید و اصلاح کی بڑی قابل قدر کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہونا چاہیے، تاکہ اسلام کا بہتر نمونہ سامنے آسکے۔اس سے اللہ کے دین کو سمجھنا آسان ہوگا اور دنیا اس کی طرف توجہ کرسکے گی۔

۲۔رسول اکرم ﷺ نے تبلیغ دین کا جو فرض انجام دیا اسے جاری رکھنا امت کی ذمہ داری ہے۔اس سے کسی حال میں غفلت نہیں برتی جاسکتی، بلکہ اسی سے

امت میں دین کی حقیقی روح بھی بیدار ہوگی اور اسی سے اس کی فلاح وترقی کی راہیں بھی کھلیں گی۔موجودہ دور میں اسلام کے بارے میں شدید غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، بلکہ غلط فہمیاں پیدا کرنے اور انہیں پھیلانے کی مسلسل کوشش ہو رہی ہے۔اس کے نظامِ فکر وعمل کو باطل، فرسودہ اور انسانی سماج کے لیے ضرر رساں قرار دیا جاتا ہے۔امت کی ذمہ داری ہے کہ ان غلط فہمیوں کو رفع کرے اور اسلام کی تعلیمات کو بے کم وکاست پیش کرے۔یہ خدمت اسی حکمت ودانائی، نصح وخیر خواہی، درد وسوز اور اخلاص ومحبت سے انجام دی جانی چاہیے جس کا اسوۂ حسنہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں ملتا ہے۔اس کے لیے صبر وثبات کے ساتھ مشکلات اور آزمائشوں کی وہ منزلیں بھی طے کرنی ہوں گی جن سے آپؐ کو گزرنا پڑا۔یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جب تک آپ کا خطاب عقل ودانش کو اپیل نہ کرے اور آپ کے خلوص اور خیر خواہی پر یقین نہ ہو، مخاطب کی توجہ اس کی طرف نہ ہوگی اور اس کے رویہ میں کسی تبدیلی کا امکان تو مشکل ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

آئینی حقوق کے علم برداروں سے تعاون حاصل کیا جائے

جمہوری ممالک میں ہر شخص کو دستوری طور پر بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ان میں مذہبی آزادی کا بھی حق ہے۔ان ممالک میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے نسبتاً زیادہ مواقع پائے جاتے ہیں۔ان مواقع کا استعمال ایک دینی تقاضا ہے۔اس میں کوتاہی پر اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس ہوسکتی ہے۔جمہوری ملکوں میں بھی کبھی کبھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ردعمل دیکھا جاتا ہے۔اسے ملک کے مفاد کے منافی بھی سمجھا جاسکتا ہے۔اسے صبر وتحمل سے برداشت کرنا ہوگا۔اس کے جواب میں غیر دستوری ردعمل کو کسی طرح درست نہیں قرار دیا جاسکتا۔اس کا مقابلہ ملکی قانون ہی کے ذریعہ سے کرنا چاہیے۔اس کے ساتھ ان ممالک میں جو افراد اور تنظیمیں دعوت دین کا فرض انجام دے رہی ہیں ان کے درمیان تعاون اور اشتراک عمل ہونا چاہیے۔اس میں وطن، زبان، مسلک جیسی چیزوں کو حائل نہیں ہونا چاہیے۔ان میں وہ اخوت ہونی چاہیے جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کی تھی۔

اب ہم اپنے ملک کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں۔ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے۔اس میں ازروئے دستور ہر شخص کو اظہارِ خیال کی آزادی حاصل ہے۔ تمام باشندگان ملک کو بغیر کسی فرق و امتیاز کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔لیکن عملاً اس کی خلاف ورزی بھی ہوتی رہتی ہے۔اقلیتوں کے اور خاص طور پر مسلمانوں کے حقوق بری طرح متاثر ہیں، جسے کسی بھی طرح جائز نہیں قرار دیا جاسکتا اور یہ ملک کے لیے بھی سراسر نقصان دہ ہے۔

خوشی اس بات کی ہے کہ ہمارے اس ملک میں ایسے افراد اور تنظیمیں بھی ہیں جو آزادیٔ فکر و عمل کو انسان کا بنیادی حق تسلیم کرتی ہیں اور اس بات کی قائل ہیں کہ مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنے عقیدے اور مذہب پر عمل اور اس کی تبلیغ و اشاعت کرسکیں۔ اس طرح کے افراد اور جماعتوں سے ہمارے روابط بڑھنے چاہئیں اور تبلیغ دین کا جو فطری حق ہے اس کا استعمال جاری رہنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوے سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ہمارے ملک کے مخصوص حالات کے پیش نظر مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کے تحفظ، پرسنل لا کی حفاظت اور سیاسی مفادات کے لیے امت کے ذمہ داروں کے غیر مسلموں سے روابط ہیں، لیکن اسلام کی صحیح تعلیمات پیش کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش نہیں ہورہی ہے، بلکہ یہ پہلو نظر انداز ہورہا ہے۔اگر تبلیغ و دعوت کے میدان میں غیر مسلموں کا تعاون حاصل ہو اور وہ اسے امت کا ایک جائز حق سمجھنے لگیں تو اسلام کی اشاعت کے زیادہ مواقع حاصل ہوسکتے ہیں۔ یہ اس راہ کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے بصد عجز و نیاز دعا ہے کہ وہ ان گزارشات پر غور کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق سے بہرہ ور فرمائے۔

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ

وژن، مشن اور منصوبے

۱۹۸۱ء میں ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کا سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن ہوا۔ اس کے گیارہ (۱۱) اساسی ارکان تھے، جن میں مولانا صدر الدین اصلاحیؒ، جناب افضل حسینؒ، مولانا سید حامد علیؒ، جناب ٹی، کے، عبد اللہ، جناب سید امین الحسن رضویؒ، مولانا محمد فاروق خاں اور ڈاکٹر محمد رفعت جیسے معروف اصحابِ علم شامل تھے۔ اس کے صدر مولانا صدر الدین اصلاحیؒ تھے اور اس عاجز کو سکریٹری مقرر کیا گیا۔ اِس وقت بھی اس کے اساسی ارکان میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (نائب صدر)، جناب سید سعادت اللہ حسینی، ڈاکٹر محمد رفعت، مولانا محمد فاروق خاں، پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی، پروفیسر سید مسعود احمد اور ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اور اس کی مجلس عام میں پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر محمد ریاض کرمانی اور جناب ٹی عارف علی صاحب جیسے اصحابِ علم و دانش شامل ہیں۔ مولانا اشہد جمال ندوی اس کے سکریٹری ہیں۔

ادارۂ تحقیق خالص علمی ادارہ ہے۔ اس کا مقصد اسلام کی علمی توضیح وتشریح اور دورِ جدید کے مسائل میں اسلام کی رہ نمائی فراہم کرنا ہے۔ اس نے انسانی حقوق، معاشرت، سیاست، اخلاق اور تہذیب پر قابلِ قدر علمی خدمات انجام دی ہیں۔ یہاں سے شائع ہونے والی تصانیف میں معرکۂ اسلام و جاہلیت (مولانا صدر الدین اصلاحی)، مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ۔ غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور، صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، اسلام اور مشکلات حیات (مولانا سید جلال الدین عمری)، مذہب کا اسلامی تصور، وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام، مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام (مولانا سلطان احمد اصلاحی)، قرآن اہلِ کتاب اور مسلمان، حضرت ابراہیمؑ (ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی) جرائم اور اسلام، توحید اور قیام عدل (مولانا محمد جرجیس کریمی) خصوصیت سے قابل

ذکر ہیں۔ ادارہ میں تصنیفی تربیت کا شعبہ بھی شروع ہی سے قائم ہے۔ اس میں سے کئی ایک نمایاں اصحابِ قلم نے فراغت پائی ہے اور اب وہ اپنی جگہ دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ادارۂ تحقیق کا ترجمان سہ ماہی 'تحقیقاتِ اسلامی' ۱۹۸۲ء سے پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اہلِ علم میں اسے اعتبار حاصل ہے اور اس کے تحقیقی وتنقیدی مقالات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے مندرجات کا 'تحقیقات اسلامی کے اڑتیس (۳۸) سال' کے عنوان سے شماریاتی جائزہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ تحقیقات اسلامی کے مندرجات پر ہند و پاک کی یونی ورسٹیوں سے دس (۱۰) ایم فل کی ڈگریاں تفویض کی گئی ہیں۔

ضرورت اس بات کی محسوس کی جا رہی تھی کہ ادارہ کے علمی وفکری کام کو آگے بڑھایا جائے اور دیگر افراد اور اداروں کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔ اسی مقصد سے اس کا وسیع وژن اور منصوبہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس طرح ادارہ موجودہ دور کی اہم علمی ضرورت پوری کرنا چاہتا ہے۔ اس میں آپ سب اصحابِ علم کے تعاون کی ضرورت ہے۔ (جلال الدین)

وژن

اسلام کے مدلّل تعارف، اس کی عملی تعبیر وتشریح اور دورِ حاضر کو درپیش ذہنی و فکری الجھنوں کے ازالے کے لیے علم وعرفان کی افزائش، فروغ اور تحقیق کے عمل کا ٹھوس، معتبر اور پائدار نظام قائم کرنا۔

مشن

- اسلام کو عصر حاضر کی علمی وفکری سطح سے پیش کیا جائے۔
- مروّجہ باطل نظریات پر علمی تنقید کی جائے اور جدید ذہنی وفکری الجھنوں کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کیا جائے۔
- اسلام کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی دعوت کی راہ میں حائل دشواریوں کو دور کیا جائے۔
- علمی وتحقیقی ذوق کے فروغ اور تحقیقی تربیت کا انتظام کیا جائے۔

پروگرام/منصوبے

فیلوشپ

● ادارہ فیلوشپ کا ایک نیا نظام جاری کرے گا۔ تحقیق کا ذوق رکھنے والے اور تحقیقی سرگرمیوں اور اداروں سے متعلق افراد کو سینئر فیلو، فیلو یا ایسوسی ایٹ بنایا جائے گا۔ ان کو ادارے کے وژن، مشن، تقاضوں اور اہداف سے واقف کرایا جائے گا اور اس نہج پر کام کرنے کی ترغیب وتشویق اور رہ نمائی فراہم کی جائے گی۔ ہر ممبر کو ایک ممبر شپ سرٹیفیکٹ دیا جائے گا، جس کی مدت تین سال ہوگی۔ اس کے اختتام پر فیلو کی کارکردگی کی بنیاد پر اس کی تجدید کی جائے گی۔ اس کے لیے مطلوبہ ذرائع استعمال کیے جائیں گے۔ اس طرح باصلاحیت افراد کی نشان دہی اور تیاری کا کام بھی انجام پائے گا۔

کمیٹی برائے انتخاب موضوعات

● ادارہ سے وابستہ رفقاء کے علاوہ باہر کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ موضوعات کے انتخاب کے لیے ایک مستقل کمیٹی بنائی جائے گی، جو:

۱۔ موضوعات کا تعین ترجیحی ترتیب کے ساتھ کرے گی۔

۲۔ اسکالرس کی طرف سے پیش کردہ موضوعات کا تجزیہ اور فیصلہ کرے گی۔

موضوعات کے تعین میں ادارے کے وژن اور مشن کا لحاظ رکھا جائے گا۔ تحقیق کے مسلّمہ اصولوں کا التزام کیا جائے گا۔ موضوع پر قابل ذکر اضافہ مقصود ہوگا۔ جن موضوعات پر کام ہو چکا ہے، ان کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ سماج پر پڑنے والے مطلوبہ اثرات کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

دیگر اداروں سے ربط

● ادارہ کا دنیا کے علمی وتحقیقی اداروں سے باقاعدہ اور قریبی رابطہ قائم کیا جائے گا، تاکہ ان کی سرگرمیوں میں ادارہ کی نمائندگی ہو، ان کی تحقیقات کو حاصل کیا

جائے گا، نیزان سے پروگراموں میں اشتراک اورتبادلہ کا سلسلہ شروع کیا جائے گا۔

● ادارے میں اس کا انتظام کیا جائے گا کہ ملک وبیرونِ ملک سے اسلامی علوم وافکار میں تحقیق سے دل چسپی رکھنے والے افراد اور ادارے اپنی تحقیقی ضروریات کے لیے ادارے کی طرف رجوع کریں۔

تربیتی کورس برائے دینی مدارس

تحقیقی تربیت کے لیے ایک ماہی یا پندرہ روزہ کورس تیار کیا جائے گا اوراس کو ادارہ کے ذریعہ پہلے مرحلے میں تحریکی مدارس میں چلایا جائے گا۔ دوسرے مرحلے میں دیگر مدارس میں بھی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔تحریکی مدارس میں سال میں ایک مرتبہ اس کورس کا انعقاد کیا جائے گا۔

سیمیناروں کا اہتمام

سیمیناروں کے روایتی طریقوں سے ہٹ کر، نتیجہ خیز سیمیناروں کی روایت شروع کی جائے گی اوران کا انعقاد اس طرح کیا جائے گا کہ زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہوسکیں۔

تحقیقی ورک شاپ

ادارے کے ذریعہ ملک کے مختلف مقامات پر زندہ اورتحریکی موضوعات پر ورک شاپ کا انعقاد کیا جائے گا، جس سے تحریک کے افراد اور عام مسلمانوں کی علمی ضرورت پوری ہو اوران کا تحقیقی ذوق فروغ پائے۔ جدید مسائل کی تفہیم کے لیے دینی مدارس کے اساتذہ کی ورک شاپ اور قضاء سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے تربیت کا نظم کیا جائے گا۔

مباحثے اورڈسکشن فورم

جن مسائل پر ملت کے اندر تردّد ہو ان پر علمی تحقیق اور بحث وتمحیص کے

ذریعے اسے رفع کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اسے اس طرح حل کیا جائے گا کہ اس کی پشت پر دلائل کی قوت محسوس کی جاسکے۔

جدید مباحث کا ریکارڈ

دورِ حاضر میں پوری دنیا میں ہونے والے، خاص کر دینی علوم و افکار سے متعلق اہم مباحث کا ریکارڈ رکھا جائے گا۔

مجلہ تحقیقات اسلامی

اللہ کا شکر ہے کہ مجلہ تحقیقات اسلامی کو علمی حلقوں میں اعتبار حاصل ہے۔ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مجلّے کے مشمولات ادارے کے وژن اور مشن سے زیادہ ہم آہنگ ہوں، مجلہ عصر حاضر کا آئینہ دار ہو اور تحقیقی معیارات کی پاس داری کے ساتھ جدید ترین تحقیقات مجلہ کی پہچان بن جائیں۔ دوسری زبانوں میں شائع ہونے والی جدید ترین تحقیقات کے تراجم بھی مجلہ میں شائع کیے جائیں۔ کوشش کی جائے گی کہ مجلہ کو جلد از جلد UGC care list اور تحقیقی مجلّات کی دیگر ملکی اور عالمی فہرستوں میں درج کرایا جائے اور ایمپلیمنٹ فیکٹر سے رجوع کرکے مجلہ کی درجہ بندی کرائی جائے۔

تصنیفی تربیت

تصنیفی تربیت کے لیے دو نظام قائم کیے جائیں گے: ایک ادارے میں تربیت کا نظام اور دوسرا فاصلاتی تربیتی نظام۔ موجودہ نظام کو مزید بہتر بنایا جائے گا۔

تحقیق وتنقید

تشریحاتِ نبوی کی اقسام

اور ان کا فقہی تجزیہ وتحلیل

پروفیسر محمد سلیم قاسمی

حدیث قرآن کریم کی کئی طرح سے تشریح کرتی ہے:

(ا) قرآن کریم میں جو چیز جس طرح بیان کی گئی، حدیث اس کی اسی طرح تشریح کرتی ہے، جیسے:

(الف) حدیث میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے والد حضرت عمر بن الخطابؓ سے فرمایا: ''عبداللہ سے کہو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلے، پھر جب وہ حالت طہر ہو تو چاہے طلاق دے یا رکھ لے۔'' ا؎

یہ حکم قرآن کریم میں بھی اسی طرح وارد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق:۱)

(اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لیے ان کو طلاق دیا کرو۔)

(ب) حضرت سبیعہ الاسلمیہؓ کے یہاں ان کے شوہر کی وفات کے کچھ دن بعد بچے کی ولادت ہوئی۔ انھوں نے عقد ثانی کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ انھیں عدّتِ وفات گزارنی ہوگی، تب وہ دوسرے نکاح کے لیے حلال ہوسکتی ہیں۔ حضرت سبیعہؓ اس مسئلہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ بچے کی ولادت کے بعد وہ نکاح کے لیے حلال ہوگئی ہیں، مزید عدت گزارنے کی ضرورت نہیں۔ ۲؎

قرآن کریم میں یہ حکم بھی اسی طرح مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:۴)

(اور حمل والی عورتوں کی مدّت (عدّت) وضعِ حمل ہے)

(ج) اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

بنی الاسلام علی خمس، شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واقام الصلاۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔ ۳؎

(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔)

یہ حدیث قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر توحید، رسالت، نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور حج سے متعلق وارد آیاتِ کریمہ کے موافق اور مؤیّد ہے۔ مثلاً البقرۃ: ۲۵۵، الحشر: ۲۲، الاخلاص:۱، الفتح:۲۹، آل عمران: ۱۴۴، النساء:۱۷۰، البقرۃ: ۴۳، البقرۃ: ۱۸۳، آل عمران:۹۷، وغیرہ۔ حدیث کی کتابوں میں اس کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

(۲) حدیث کی دوسری قسم وہ ہے جو قرآن کریم کے اجمال کی تشریح کرتی ہے، جیسے:

(الف) قرآن کریم میں ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدۃ: ۳۸)

(چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔)

اس آیت میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے، لیکن یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ کتنے مال کی چوری میں کاٹا جائے گا؟ اس کی تفصیل حدیث میں ملتی ہے، مثلاً یہ کہ ہاتھ پہنچوں سے کاٹا جائے گا اور اس وقت کاٹا جائے گا جب چوری کیے ہوئے مال کی قیمت چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ ہو۔ ۴؎

(ب) وصیت کے تعلق سے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي

بِهَا أَوْ دَيْن (النساء:۱۲) یعنی مرنے والے کی وصیت کو پورا کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد میراث کے حصے لگائے جائیں گے، مگر حدیث نے اس میں یہ تخصیص کی کہ میت کی وصیت صرف تہائی مال میں نافذ ہوگی، کل مال میں نہیں، جو وارثین کا حق ہے۔ ۵؎

(ج) نماز قصر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُواْ مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا (النساء:۱۰۱)

(جب تم سفر میں ہو تو تم پر نمازوں میں قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر تمھیں کافروں کی طرف سے کسی فتنہ کا خوف ہو۔)

اس آیت کے مطابق حالتِ سفر میں نماز میں قصر صرف مخصوص حالات میں جائز ہے، یعنی اس وقت جب کافروں کی طرف سے کسی خوف کا اندیشہ ہو، مگر حدیث نے اسے عام حالات میں بھی جائز قرار دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! اب ہم حالتِ خوف میں نہیں ہیں۔ کیا نماز قصر اب بھی ہمارے لیے جائز ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے، اسے قبول کرو۔'' ۶؎

اسی طرح قرآن کریم میں طہارت، نکاح، طلاق، رجعت، ظہار، لعان، مناسک حج، جنایات اور بیوع کا اجمالاً ذکر ہے، ان کی تفصیل حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ اس کے بغیر نماز کی کیفیت، مقدارِ زکوۃ، مناسکِ حج، بیوع کے احکام، نکاح و طلاق کے مسائل ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔

(۳) حدیث کی تیسری قسم وہ ہے جس کا ذکر قرآن میں نہ صراحتاً ہے نہ اجمالاً۔ اسی لیے بعض اہل علم نے اس قسم کو 'زوائد' کا نام دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ احکام زوائد علی القرآن (قرآن پر اضافہ) ہیں، جیسے:

(الف) عورت کے ساتھ اس کی خالہ یا پھوپھی کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت۔ ۷؎

(ب) حمار اہلی اور پنجوں اور دانتوں سے شکار کرنے والے جانوروں اور پرندوں، جیسے شیر اور باز کو کھانے کی حرمت۔ ۸؎

(ج) مردوں کے لیے سونا اور ریشم پہننے کی حرمت۔ ۹؎
(د) رضاعت کے ان تمام رشتوں کی حرمت جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ ۱۰؎
(ھ) بیع پر بیع کرنا یا رشتہ پر رشتہ دینے کی حرمت۔ ۱۱؎
(و) مختلف بیوع کی حرمت، مثلاً: بیع النجش ۱۲؎ بیع حاضر لبادی ۱۳؎ بیع المجهول ۱۴؎ بیع السلعة قبل قبضها ۱۵؎، بیع ملامسة ۱۶؎ بیع منابذة ۱۷؎ حرام اشیاء جیسے: شراب، خنزیر، اصنام اور مردار وغیرہ کی خرید وفروخت کی حرمت۔ ان چیزوں کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے، مگر چوں کہ قرآن مجید میں ہر مسلمان کو اطاعتِ رسول کا پابند کیا گیا ہے، اس لیے ارشاداتِ رسول کی بنا پر ان کو حرام سمجھنا ضروری ہے۔

حدیث کی اس تیسری قسم میں بیان ہوئے مسائل کا ذکر اگرچہ قرآن کریم میں نہیں ہے، مگر وہ قرآن کریم ہی سے ماخوذ و مستنبط سمجھے جائیں گے۔

تشریعاتِ نبوی کا ماخذ

ذیل میں تشریعاتِ نبوی کی کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ وہ اصلاً زوائد (علی القرآن) نہیں ہیں، بلکہ قرآن کریم ان کی اصل و اساس ہے۔

(الف) ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَأَن تَجۡمَعُواْ بَيۡنَ ٱلۡأُخۡتَيۡنِ (النساء: ۲۳)۔ (اور حرام ہے کہ تم جمع کرو دو بہنوں کو ایک نکاح میں)۔ اس آیت میں دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت بیان کی گئی۔ اس کے بعد قرآن کریم میں سکوت اختیار کیا گیا۔ آپؐ نے حرمت کی علّت کو سامنے رکھتے ہوئے بھانجی اور خالہ، اور بھتیجی اور پھوپھی کو بھی ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا۔ ۱۸؎ کیوں کہ نہی کی علّت، جو سگی بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی ہے، وہی ان دونوں مواقع میں بھی ہے۔ حرمت کی اس علت کو آپؐ نے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''انکن اذا فعلتن ذلک قطعتن أرحامکن۔'' ۱۹؎ (اگر تم ایسا کروگی تو قطع رحمی کرنے والے شمار ہوگی) یعنی سوکنوں میں عام طور پر جو رقابت پائی جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں بہت ممکن ہے کہ یہ سگے رشتے بھی قطع رحمی کا شکار ہوجائیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اس کی حرمت بیان فرمادی۔

(ب) حمار اہلی (گھریلو کام کاج کا گدھا) اور پنجوں اور دانتوں سے شکار کرنے والے جانوروں اور پرندوں کو کھانے سے آپؐ نے منع فرمایا۔۲۰؎

قرآن کریم میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ (الاعراف:۱۵۷)

(وہ طیبات کو حلال اور خبائث (ناپاک چیزوں) کو حرام قرار دیتا ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمار اہلی اور پنجوں اور دانتوں سے شکار کرنے والے جانوروں اور پرندوں کو یہ کہتے ہوئے خبائث میں شامل فرما دیا: **انما رجس من عمل الشیطٰن**۲۱؎ (یہ گندگی ہے، جو شیطان کے کاموں میں سے ایک ہے)۔

(ج) قرآن کریم نے دودھ کے رشتوں میں ماں اور بہن سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأُمَّهٰتُكُمُ اللاّٰتِىۡٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ (النساء:۲۳)

(اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں، جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔)

آپؐ نے اس آیتِ کریمہ کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے وہ تمام رشتے بھی حرام قرار دیے جو نسب کے نتیجہ میں حرام ہوئے ہیں، جیسے: رضاعی خالہ، پھوپھی، رضاعی بھتیجی اور بھانجی اور رضاعی بیٹیاں۔ آپؐ نے ان سے نکاح کو اسی طرح حرام فرمایا جیسے وہ خون کے رشتوں سے حرام ہوتے ہیں۔ ۲۲؎ اس حرمت کی وجہ اور حکمت بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: **الرضاع لحمہ کلحمۃ النسب** ۲۳؎ (دودھ سے بنا گوشت نسب کے گوشت کی مانند ہوتا ہے۔) یعنی دودھ پینے کے نتیجے میں بچہ مرضعہ (ماں) کا جز ہو جاتا ہے، لہٰذا جسمانی طور پر جس طرح دودھ اور خون میں کوئی فرق نہیں ہوتا اسی طرح دودھ اور خون کے رشتوں میں بھی کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

اس حدیث میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو اللہ کی جانب منسوب کیا، یعنی یہ فرمایا کہ اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ ۲۴؎ اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آیت کا مفہوم اور اس کی غرض و غایت سب کچھ آپؐ پر القا ہوتا تھا۔

اسی لیے قرآن مجید ایک دو مثال بیان کر کے بات کا رخ دوسری جانب موڑ دیتا ہے، کیوں کہ تفصیل بیان کرنے کی ذمہ داری حضور ﷺ کو سونپی گئی تھی۔

(د) رسول اللہ ﷺ نے مَردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ''تم حریر اور دیباج مت پہنو اور سونے کے برتنوں میں نہ کھاؤ، اس لیے کہ کفار کے لیے یہ صرف دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔'' ۲۵

اس حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا اور ان کا استعمال کرنا مرد و عورت دونوں کے لیے منع کیا گیا ہے۔ اس ممانعت کی کئی وجوہ ہیں: (۱) یہ اسراف ہے، جو اللہ کو پسند نہیں (۲) اس سے غریبوں کی دل شکنی ہوتی ہے، یعنی جب وہ دیکھتے ہیں کہ امیر لوگ سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتے پیتے ہیں اور انھیں دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں، تو انھیں یہ دیکھ کر بہت ملال ہوتا ہے۔ تیسری اور بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کافروں کے لیے جنت ہے، جب کہ آخرت مومنوں کے لیے۔ یہاں وہ جو چاہیں کھائیں پئیں اور پہنیں، مگر آخرت میں کافروں کے لیے بدترین سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ (الزخرف: ۳۳)
>
> (اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو رحمن سے کفر کرنے والوں کے گھر کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں جن سے وہ اپنے بالاخانوں پہ چڑھتے ہیں اور ان کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، سب چاندی اور سونے کے بنا دیتے۔)

سونے چاندی سے متعلق حکمتِ الٰہی کو سامنے رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے سونا اور چاندی کا استعمال منع فرما دیا۔ صرف عورتوں کو اپنے شوہروں کے لیے زینت اختیار کرنے کی غرض سے اس کی اجازت دی۔ یہی حال ریشم کا بھی ہے کہ اسے عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا۔ اس کی حرمت کی بھی وجہ وہی ہے جو سونا پہننے کی ہے۔ یہ عورتوں کے لیے اسبابِ زینت ہیں، جب کہ مردوں کو اس کی حاجت نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں چیزوں سے مردوں کو منع کر دیا۔

(ہ) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اس لیے کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے، یا کسی رشتے پر رشتہ دے، یہاں تک کہ پہلا معاملہ اپنے انجام تک پہنچ جائے، یا ختم ہوجائے۔''۲۶

یہ حدیث اسلام میں اخوت کی تعلیم اور بغض و عداوت کی نفی کے سلسلے میں وارد قرآن کی متعدد آیات کا حاصل ہے۔ مثلاً سورۂ حجرات میں فرمایا گیا: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ (الحجرات:۱۰) (تمام اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ) اور سورۂ آل عمران میں ہے: وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران: ۱۰۳) (اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو اس نے تم پر کی کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں ملا دیا، پس تم اس کے انعام سے بھائی بھائی ہوگئے)۔ اسی طرح قرآن مجید میں مسلمانوں میں نفرت اور بغض و عداوت پیدا کرنے والی تمام چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ کیجیے الحجرات:۱۱۔۱۲، المائدۃ:۹۱) ان قرآنی آیات کے پیشِ نظر آپؐ نے ایسی تمام چیزوں سے منع فرمادیا جو مسلمانوں میں بغض وعداوت پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں، یا ان سے کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ قرآن کریم میں بیع وشراء اور پیسوں کے لین دین کے معاملہ میں درج ذیل آیات وارد ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:۲۹) (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔) وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (الرحمٰن:۹) (ناپ اور تول پوری رکھو، اس میں کسی طرح کی کمی نہ کرو)۔ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ (الاسراء:۳۵) (اور تولو سیدھی ترازو سے) وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرہ:۲۷۵) (اور اللہ نے بیع حلال کی اور سود کو حرام کیا)۔

ان آیات کے معنیٰ ومفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے آپؐ نے اپنے زمانے میں ہونے والی بیع وشراء اور لین دین میں جو معاملات مساءً قرآنی کے خلاف تھے ان سب سے منع فرمادیا، جیسے: بیع النجش، بیع حاضر لبادی، بیع المجهول، بیع السلعة قبل قبضها، بیع

المحاقلہ، ملامسۃ ، منابذہ، مزابنہ ،بیع حبل الحبلۃ وغیرہ۔ قرآن کریم میں ان بیوع کا کہیں ذکرنہیں ہے،لیکن یہ سب مذکورہ آیات یاان جیسی دیگرآیات سے ماخوذ ومستنبط ہیں۔

اسی طرح آیتِ ربا کو سامنے رکھتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: **الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید، فمن زاد او ازداد فقد أربیٰ** ۲۷؎ (سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جَو جَو کے بدلے، کھجورکھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے برابرسرابر ہاتھ در ہاتھ (نقد) لین دین جائز ہے۔ان میں کسی نے کسی چیز کے بدلے زیادہ لیا یادیا تواس نےسود کھایا۔)

اس باب میں اصلاً مالِ ناحق کھانے کی ممانعت ہے اور مروّجہ معاملات اور لین دین اس کی فروع ہیں، لہٰذا مالِ ناحق کھانے کی صورت جن جن معاملات میں پائی گئی آپؐ نے ان سب سے منع فرمادیا۔

ان مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ سنت قرآن کریم طرف راجع ہے۔امام شاطبیؒ نے فرمایاہے:

> **انّ السنۃ راجعۃ في معناھا الیٰ الکتاب، فھی تفصیل مجملہ وبیان مشکلہ وبسط مختصرہ، وذلک لانھا بیان لہ، وھو الذي دلّ علیہ قولہ تعالیٰ: وأنزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزّل الیھم۔ فلا تجد فی السنۃ امراً الّا والقرآن قد دلّ علی معناہ دلالۃ اجمالیۃ او تفصیلیۃ** ۲۸؎
>
> (سنت اپنے معنی اورمفہوم میں قرآن ہی کی طرف راجع ہے ۔ وہ اس کے اجمال کی تفصیل ،اس کے مشکلات کی توضیح اور اس کے مختصرات کی شرح ہے۔ یہی بات باری تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہی گئی ہے:"اورہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا، تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں وہ چیز جو ان کی جانب اتاری گئی۔" (النحل: ۴۴)۔ لہٰذاتم سنت میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں پاؤگےجس پر قرآن اجمالاً یاتفصیلاً دلالت نہ کرتاہو۔)

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ میں ،سوائے شیعہ اورخوارج کے، سنت کی اس

تشریعی حیثیت کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ سبھی ان تشریعات کے وجوب کے قائل ہیں۔ جو لوگ سنت کی تشریعی حیثیت کا انکار کرتے ہیں ان پر ابن حزمؒ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولو انّ امرأقال: لا نأخذ الا ما وجدنا فی القرآن لکان کافراً باجماع الأمة ولکان لا یلزمه الا رکعة ما بین دلوک الشمس الی غسق اللیل وأخریٰ عند الفجر، لأن ذلک ھو أقلّ ما یقع علیه اسم صلاة ولا حدّ للأکثر فی ذلک“۲۹۔

”اگر کوئی شخص کہے کہ ہم قرآن کے سوا کسی بھی چیز کو نہیں مانتے، وہ باجماع امت کافر ہوگا۔ وہ سنت کو چھوڑ کر ایک وقت کی نماز بھی نہیں پڑھ سکتا، اس لیے کہ زوالِ آفتاب سے رات تک (از روئے قرآن) صرف ایک رکعت ہی لازم آتی ہے، اسی طرح بوقت فجر۔ کیوں کہ لفظ 'صلاۃ' کا اطلاق کم از کم ایک رکعت پر ہی ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رکعت کی کوئی حد نہیں“۔

حدیث کی یہ تینوں مذکورہ اقسام احکام سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ تشریحاتِ نبوی کے دیگر موضوعات درج ذیل ہیں:

۴۔ تفسیر القرآن

اللہ کے رسول ﷺ کی ذمہ داری تھی کہ قرآن پیش کرنے کے ساتھ اس کی تشریح اور وضاحت بھی کریں۔ چنانچہ ذخیرۂ حدیث سے قرآن کریم کی بہت سی آیات کا معنیٰ و مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا إِیْمَانَھُم بِظُلْمٍ أُوْلٰئِکَ لَھُمُ الأَمْنُ وَھُم مُّھْتَدُوْن (الانعام: ۸۲) (جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہیں کی، ان کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں)۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم نہ ملایا ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ظلم سے مراد شرک ہے۔۳۰

اسی طرح جب آیت اتَّخَذُوْا أَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ أَرْبَاباً مِّن دُوْنِ اللّٰہِ (التوبۃ: ۳۱) نازل ہوئی تو یہود نے کہا کہ یہ بات درست نہیں۔ ہم پادری اور درویشوں

کو اپنا رب نہیں بناتے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اس سے مراد حقیقتاً رب بنا لینا نہیں، بلکہ ہر جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں ان کا حکم تسلیم کرنا ہے، خواہ وہ کتاب اللہ کے موافق ہو یا اس کے خلاف۔ ۳۱؎

آیت: وَلَقَدْ آتَیْنٰکَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِی (الحجر: ۸۷) کے متعلق آپؐ نے فرمایا کہ اس سے سورۃ الفاتحہ مراد ہے۔ ۳۲؎

آیت: إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوداً (الاسرا:۷۸) کی تفسیر میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی نماز میں رات اور دن دونوں اوقات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ ۳۳؎

(۵) حالات بعد الموت

کتبِ حدیث میں موت، قبر، برزخ، قیامت اور اس کی نشانیاں، دوبارہ جی اٹھنا، حشر و نشر، حساب و کتاب، پل صراط، عرش رحمن، کوثر، جنت اور دوزخ کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں، جو سب قرآنی آیات سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ مثلاً عذابِ قبر سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلنَّارُ یُعْرَضُونَ عَلَیْھَا غُدُوّاً وَعَشِیّاً وَیَوْمَ تَقُومُ السَّاعَۃُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ (غافر:۴۶) (دوزخ ہے، جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں۔ جب قیامت ہوگی تو کہا جائے گا کہ آلِ فرعون کو سخت عذاب (جہنم) میں داخل کرو)۔

اس آیت کی تشریح میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: ”مرنے والے پر روزانہ صبح و شام اس کا اصل مقام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو اس کے لیے جنت اور اگر برا ہے تو اس کے لیے جہنم۔ مرنے والے سے کہا جاتا ہے کہ یہی تمھارا ٹھکانا ہے، یہاں تک کہ اللہ روز قیامت تمھیں اٹھائے گا۔“ ۳۴؎

اسی طرح قیامت کی نشانیوں سے متعلق اللہ عز وجل نے فرمایا ہے: یَوْمَ یَأْتِی بَعْضُ آیٰتِ رَبِّکَ لاَ یَنفَعُ نَفْساً إِیْمَانُھَا لَمْ تَکُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ (الانعام:۱۵۸) (جس دن تمہارے رب کی بعض نشانیوں کا ظہور ہوگا اس دن کسی کو اس کا ایمان فائدہ نہیں دے گا، اگر وہ پہلے سے ایمان نہیں رکھتا تھا۔)

اس آیت کی تشریح میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: ”قیامت نہیں

آئے گی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ پس جب قرب قیامت سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔'' ۳۵؎

(۶) دعائیں

دعاؤں میں نماز کے درمیان میں اور اس سے باہر پڑھی جانے والی تمام دعائیں شامل ہیں۔ صحیح سند سے ثابت مسنون دعائیں عموماً قرآنی آیات سے ماخوذ ہیں، جیسے: آیت **فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ** (الواقعہ:۹۶) (پس آپ اپنے رب عظیم کی تسبیح بیان کیجیے) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**اجعلوھا فی رکوعکم**'' ۳۶؎ (اسے رکوع میں پڑھا کرو۔) اسی طرح جب آیت: **سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی** (الاعلیٰ:۱) نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: ''**اجعلوھا فی سجودکم**'' ۳۷؎ (اسے سجدہ کی تسبیح بنالو۔) رکوع اور سجدہ میں جو تسبیحات **سبحان ربی العظیم** اور **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھی جاتی ہیں، ان کی اساس یہی قرآنی آیات ہیں۔ اسی طرح جب آیت: **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا** (الاحزاب:۵۶) نازل ہوئی تو ایک صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ کو سلام کیسے کریں؟ یہ ہم جانتے ہیں، مگر صلاۃ (درود) کیسے پڑھیں؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ آپؐ نے فرمایا، کہو: **اللھم صلی علی محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔** ۳۸؎

مسنون دعاؤں میں ایک قسم وہ ہے جو کتاب اللہ سے اسی طرح منقول ہیں جس طرح وہ کتاب اللہ میں مذکور ہیں، جیسے: **رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّفِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ** (البقرة:۲۰۱)۔ دوسری قسم وہ ہے جن میں اکثر الفاظِ دعا قرآنی آیات کے ہیں، جیسے دعا: ''**اللھم حبّب الینا الایمان وزینه فی قلوبنا و کرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان**'' ۳۹؎ (اے اللہ ہم کو ایمان محبوب بنا، اس سے ہمارے دلوں کو مزین کردے اور کفر وفسق اور نافرمانی سے ہمارے دلوں میں کراہیت پیدا فرما)۔ یہ دعا قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے: **وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَکَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ**

وَ الْفُسُوقَ وَ الْعِصْيَانَ (الحجرات: ۷) (لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر، فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا۔) تیسری قسم ان دعاؤں کی ہے جن کے الفاظ جزوی طور پر آپؐ کے ہیں، یا مکمل۔ جیسے دعا: ''یا مقلب القلوب ثبت قلبی علیٰ دینک ۴۰؎ یا مصرف القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتک''۔ ۴۱؎

یہ دعائیں قرآن کریم کی آیات (الانعام: ۱۱۰، الانفال: ۲۴، الاسراء: ۷۴) سے ماخوذ ہیں۔ ان آیات کی بنیاد پر آپؐ نے فرمایا: ''انسان کا دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان رہتا ہے، وہ اسے جدھر چاہے پھیر دیتا ہے۔'' ۴۲؎

بلاشبہ قرآن کریم کو اگر غور سے پڑھا جائے تو سب چیزیں سمجھ میں آجاتی ہیں اور قرآن پڑھنے میں مزہ بھی آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس طرح اور کہاں کہاں سے قرآنی الفاظ و معانی کو اپنی زبان مبارک سے ادا فرمایا ہے۔ یہ نہایت دل چسپ باب ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی تمام تشریحات، خواہ وہ فقہی ہوں یا غیر فقہی، وہ سب من جانب اللہ ہیں۔ یہ تشریحات قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل، اس کے مشکلات کی توضیح اور اس کے مختصرات کی تشریح ہیں۔ لہٰذا حدیث میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کی سند قرآن کریم میں نہ ہو۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

ان قوله و فعله و اقراره راجع الی القرآن ۴۳؎

(حضور ﷺ کے تمام قول و فعل اور اقرار سب قرآن کی جانب راجع ہیں)۔

خلافِ قرآن روایات کی حیثیت

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ احادیث، جو احکام و مسائل سے تعلق رکھتی ہوں، یا ان کے ماسوا ترغیب و ترہیب سے، اگر وہ صراحتِ قرآنی کے خلاف ہوں تو انھیں رد کرنا ضروری ہے۔ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

''هذا القسم علی ضربین: احدهما ان تکون مخالفة للأصل قطعية فلابد من ردّه و الآخر ان تکون ظنية، اما بان يتطرق الظن من جهة الدليل الظني،

وامامن جهة كون الاصل لم يتحقق كونه قطعيا، وفى هذا الموضع مجال للمجتهدين، ولكن الثابت فى الجملة ان مخالفة الظنى لاصل قطعى يسقط اعتبار الظن على الاطلاق وهو ممالا يختلف فيه" ۴۴؎

(دلیل ظنی اگر قطعی دلیل کے مخالف ہوتو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا اصل کے مخالف ہونا قطعی ہو۔ اس صورت میں اس کو رد کرنا لازم ہے۔ دوسری یہ کہ اس کا اصل کے خلاف ہونا ظنّی ہو۔ یا تو اس لیے کہ اصل کے ساتھ اس کی مخالفت ظنّی ہے، یا اس لیے کہ اصل کا قطعی ہونا متحقق نہیں ہوا۔ اس صورت میں مجتہدین کے لیے اختلاف کی گنجائش ہے، لیکن اصولی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ ظنّی کا قطعی کے مخالف ہونا ظنی کو ساقط الاعتبار کر دیتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔)

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں: ''کسی روایت کے غیر معتبر ہونے کی چار صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ وہ روایت کتاب اللہ کے خلاف ہو۔ دوسری یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مشہورہ کے خلاف ہو۔ تیسری یہ کہ عموم بلویٰ میں کوئی شاذ اور غیر مشہور حدیث وارد ہو، حالاں کہ اس کی معرفت ہر خاص وعام کو ہونا چاہیے۔ چوتھی یہ کہ کوئی ایسی حدیث ہو جس سے صدر اول کے ائمہ نے اعراض کیا ہو، یعنی ان کے مابین اس مسئلہ میں بحث ہوئی ہو، لیکن اس حدیث سے انھوں نے استدلال نہ کیا ہو۔ ۴۵؎

ائمہ میں احناف اور مالکیہ کے نزدیک قرآن مجید کے ساتھ موافقت، حدیث کی قبولیت کی پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ فقہاء احناف نے اس اصول پر جن روایتوں کو رد کیا ہے، ان کی مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ ایسی عورت جس کو تین طلاق دے دی گئی ہو، اس کا نفقہ (دورانِ عدت) خاوند کے ذمہ واجب نہیں۔ ۴۶؎

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: ''یہ روایت قرآن مجید کی آیت: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ (الطلاق ۶) (تم اپنی حیثیت کے مطابق وہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود ٹھہرتے ہو) کے خلاف ہے۔ فرماتے ہیں کہ آیت میں أَسْكِنُوهُن سے مراد اَنْفِقُوْهُنَّ ہے، جس سے

ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ عدت میں بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمے ہے۔ لہٰذا مذکورہ حدیث کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ۴۷؎

۲ – حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مقدمات میں ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ ۴۸؎

یہ روایت اپنے ظاہر کے لحاظ سے کتاب اللہ کے اس حکم کے منافی ہے جس میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے: وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ (البقرۃ: ۲۸۲) (اور اپنے مردوں سے دو آدمیوں کو گواہ بناؤ۔)

امام سرخسیؒ نے فرمایا ہے: ''ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر مدعی کے حق میں فیصلہ کرنے والی روایت خلافِ قرآن ہونے کی بنیاد پر قبول نہیں کی جائے گی۔'' ۴۹؎

امام جصاصؒ فرماتے ہیں:

> ''انها لو وردت من طريق مستقيمة تقبل اخبار الاحاد في مثلها وعريت من ظهور نكير السلف على رواتها واخبارها انها بدعة لما جاز الاعتراض بها على نص القرآن اذ غير جائز نسخ القرآن باخبار الاحاد'' ۵۰؎
>
> (یہ روایت اگر ایسی صحیح سندوں سے بھی مروی ہوتی جن کے ساتھ اخبار آحاد قابل قبول ہوتی ہیں اور اس کے راویوں پر سلف نے اعتراض بھی نہ کیا ہوتا اور نہ یہ کہا ہوتا کہ یہ طریقہ بدعت ہے تب بھی اس کو قرآن کی نص کے مقابلہ میں پیش کرنا درست نہیں تھا، کیوں کہ اخبار آحاد کی بنیاد پر کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں۔)

فقہاء مالکیہ بھی اس اصول کے پابند تھے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''من مات وعليه صيام صام عنه وليه'' ۵۱؎ (جو آدمی فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔)

امام مالکؒ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ۵۲؎ امام شاطبیؒ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لمنا فاتہ للاصل القرآن الکلی نحو قولہ تعالیٰ: الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ وان لیس للانسان الا ماسعیٰ'' (النجم، ۳۹-۳۸) ۵۳۔

(کیوں کہ یہ قرآن کے بیان کردہ اس ضابطۂ کلیہ کے خلاف ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کے لیے وہی اعمال کارآمد ہیں جو اس نے خود کیے ہوں۔)

اسی طرح وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بچہ جب تک پانچ یا دس مرتبہ کسی عورت کا دودھ نہ پی لے، حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی، امام مالکؒ ان کو قبول نہیں کرتے۔ علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

''ولم یعتبر فی الرضاع خمسا ولا عشرا للاصل القرآن فی قولہ: وَأُمَّهَاتُكُمُ اللاَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وفی مذھبہ من ھذا کثیر'' ۵۴۔

(امام مالک رضاع میں پانچ یا دس مرتبہ کا اعتبار نہیں کرتے تھے، کیوں کہ یہ عموم قرآن کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَأُمَّهَاتُكُمُ اللاَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ (النساء: ۲۳) (اور تمھاری مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور تمھاری دودھ شریک بہنیں حرام ہیں نکاح کے لیے)۔

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مالکؒ ظاہر قرآن کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے۔ انھوں نے بہت سی احادیث اس لیے رد کردیں کہ وہ قرآن یا عملِ اہلِ مدینہ کے خلاف تھیں۔

ائمہ میں امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور وہ علماء جو اس بات کے قائل ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول دونوں مرتبہ میں برابر ہیں، یا سنت کتاب اللہ پر قاضی ہے (یعنی اس کے ذریعہ کتاب اللہ کے حکم کو منسوخ کیا جاسکتا ہے) وہ عرض السنۃ علی القرآن کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی روایت جب سنداً ثابت ہوجائے تو وہ بذاتِ خود ایک اصل بن جاتی ہے، اسے دوسرے اصول پر پرکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن السمعانیؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

”متیٰ ثبت الخبر صار اصلا من الاصول ولا یحتاج الی عرضه علی اصل آخر لانه ان وافقه فذاک وان خالفه فلا یجوز رد احدهما“ ۵۵؎

(روایت جب سنداً ثابت ہوجائے تو وہ بذات خود ایک اصل بن جاتی ہے اور اسے دوسرے اصول پر رکھ کر پرکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، کیوں کہ اگر روایت کسی دوسرے اصول کے موافق ہو تو درست اور اگر خلاف ہو تو اس کی بنیاد پر روایت کو رد کرنا جائز نہیں۔)

عرض السنۃ علی القرآن کے سلسلے میں ان دو مختلف رایوں میں پہلی رائے زیادہ قوی ہے۔ اس لیے کہ جن روایات کو 'صحیح یا ضعیف' کا درجہ دیا گیا وہ انسانی تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ اس میں صواب اور خطا دونوں کا امکان رہتا ہے۔ اسی لیے شوافع کو چھوڑ کر تمام ائمہ نے خبر واحد کو ظنی الثبوت تسلیم کیا ہے، جو قطعی الثبوت سے فروتر ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ تعالیٰ: یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، موطا امام مالک، کتاب الطلاق، باب عدۃ المتوفی عنہا زوجہا اذا کانت حاملا

۳۔ بخاری، کتاب الایمان، باب الایمان وقول النبی ﷺ: بنی الاسلام علی خمس

۴۔ بخاری، کتاب الحدود، باب قول اللہ تعالیٰ: والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما

۵۔ بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث البنات؛ ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث والربع

۶۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب صلاۃ المسافرین وقصرہا

۷۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لاتنکح المرأۃ علی عمتھا

۸۔ بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب لحوم الحمر الانسیۃ وباب کل ذی ناب من السباع

۹۔ بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل فی اناء مفضض

۱۰۔ بخاری، کتاب الشہادات، باب الشہادۃ علی الانساب والرضاع

۱۱۔ بخاری، کتاب النکاح، باب لایخطب علی خطبۃ اخیہ حتی ینکح

۱۲۔ بخاری، کتاب البیوع، باب النجش، باب لا یبیع علی بیع اخیہ

۱۳۔ حوالۂ سابق

۱۴۔ مسلم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع الحصاۃ والغرر

۱۵۔ حوالۂ سابق

۱۶۔ حوالۂ سابق

۱۷۔ حوالۂ سابق

۱۸۔ بخاری، کتاب النکاح، باب لا تنکح المرأۃ علی عمتہا

۱۹۔ صحیح ابن حبان، کتاب النکاح، باب حرمۃ المناکحۃ

۲۰۔ بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب لحوم الحمر الانسیۃ و باب اکل کل ذی ناب من السباع

۲۱۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیۃ

۲۲۔ بخاری، کتاب الشہادات، باب الشہادۃ علی الانساب والرضاع

۲۳۔ تفسیر بیضاوی، تفسیر سورہ النساء، آیت: ۲۳،

۲۴۔ ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، قال ابو عیسیٰ: حدیث حسن صحیح

۲۵۔ بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل فی اناء مفضض

۲۶۔ بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبۃ اخیہ

۲۷۔ مسلم، کتاب المساقاۃ، باب الصرف وبیع الذہب

۲۸۔ الموافقات للشاطبی، ۳۱۶/۴، کتاب الادلۃ الشرعیۃ، المسألۃ الثالثۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۷، دار ابن عفان، سعودی عرب

۲۹۔ الاحکام فی اصول للاحکام، ج ۱، جزء ثانی، ص ۸۰، بیروت، ۱۴۰۳ھ

۳۰۔ مسلم، کتاب الایمان، باب صدق الایمان واخلاصہ

۳۱۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ التوبہ، قال الترمذی: ہذا حدیث غریب

۳۲۔ صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ الحجر

۳۳۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب فضل صلاۃ العصر

۳۴۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی

۳۵۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب طلوع الشمس من مغربہا؛ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الزمن

الذی لایقبل فیہ الایمان

۳۶۔ ابوداؤد، باب تفریع ابواب الرکوع والسجود

۳۷۔ ابن ماجہ، باب التسبیح فی الرکوع والسجود

۳۸۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی بعد التشہد

۳۹۔ مستدرک حاکم، ۳/ ۳۵، کتاب الدعاء، مرکز البحوث، بیروت، ۱۴۳۵ھ؛ مسند احمد، حدیث عبداللہ الزرقی ویقال عبید بن رفاعۃ الزرقی، ج ۳/ ۴۲۳

۴۰۔ ترمذی، کتاب الدعوات، باب حدثنا ابوموسیٰ الانصاری

۴۱۔ مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء

۴۲۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء ان القلوب بین اصبعی الرحمن

۴۳۔ الموافقات: ۳۱۶/۴

۴۴۔ الموافقات: ج ۳/ ۱۸۸، کتاب الادلۃ الشرعیۃ

۴۵۔ السرخسیؒ، ابوبکر محمد بن احمد، اصول سرخسی ۱ / ۳۶۴، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۷۱ء

۴۶۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی نفقۃ المبتوتۃ

۴۷۔ اصول السرخسی، ۱/ ۳۶۵

۴۸۔ ابوداؤد، کتاب القضاء، باب القضاء بالیمین

۴۹۔ اصول السرخسی، ۱/ ۳۶۵

۵۰۔ احکام القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۴، باب الشاہد والیمین

۵۱۔ صحیح بخاری، کتاب الصیام، باب من مات وعلیہ صوم

۵۲۔ موطا امام مالک، کتاب الصیام، باب النذر فی الصیام والصیام عن المیت

۵۳۔ الموافقات، ۱۹۹/۳، کتاب الادلہ الشرعیۃ

۵۴۔ الموافقات، ۳/ ۲۰۰

۵۵۔ فتح الباری، ۴/ ۳۶۶، کتاب البیوع، باب النہی للبائع ان لاتحفل الابل

ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمیؒ کی علمی خدمات

سید جلال الدین عمری

ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمیؒ کے سفر حیات اور ان سے اس عاجز کے تعلقات پر علیٰحدہ سے ایک مضمون میں اظہار خیال کیا گیا ہے، جو برادرِ عزیز محمد خالد اعظمی کے مرتب کردہ مجموعۂ مضامین 'گنگا سے زمزم تک کا روحانی سفر' میں بطور مقدمہ شامل ہے۔ (جلال الدین)

ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی کی دینی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ انہوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمت انجام دی۔ مسجدِ نبوی میں درس کی سعادت انہیں حاصل رہی۔ اس کے ساتھ قرطاس وقلم سے بھی وہ ہمیشہ وابستہ رہے۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر لکھا لیکن ان کی خاص پہچان ایک محدث کی رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی انہوں نے کئی پہلوؤں سے خدمت کی ہے۔ یہاں اسی حیثیت سے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

حدیث کے موضوع پر ان کی کئی تصانیف ہیں۔ ان میں سے بعض اہم تصانیف یہ ہیں:

۱۔ معجم مصطلحات الحدیث ولطائف الاسانید

۲۔ دراسات فی الجرح والتعدیل

۳۔ ابوھریرۃؓ فی ضوء مرویاتہ

۴۔ التمسک بالسنۃ فی العقائد والاحکام۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمن نے جو کتابیں ایڈٹ کیں اور جو ان کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوئیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ ابن الطلاع کی مشہور کتاب اقضیۃ الرسول۔

۲۔المنۃ الکبریٰ شرح السنن الصغریٰ للبیھقی۔ یہ نو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔امالی ابن مردویہ، المتوفیٰ ۴۱۰ھ

مخطوطات کی ایڈیٹنگ انہوں نے جدید طریقۂ تحقیق سے کی ہے۔اس لیے اس پر اعتبار و اعتماد کیا گیا ہے۔ان کی کتابوں کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمن کے دورِ آخر کا بڑا کارنامہ **الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل** ہے۔اس کے لیے انہوں نے کئی سال اپنے شب وروز صرف کیے، اپنی بہت سی مصروفیات ختم کیں، ملاقاتیں کم کردیں، اسفار بند کردیے۔ایک طرح سے طویل علمی اعتکاف میں وقت گزارا۔کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد یہ تحقیقی کتاب مرتب ہوئی۔اس میں انہوں نے محدثین کے طریقہ کے مطابق فقہی ابواب کے تحت صحیح احادیث جمع کی ہیں۔یہ کتاب اٹھارہ (۱۸) جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔اسے دیکھ کر ان سے قدیم تعلق کی وجہ سے بڑی ہی مسرت اور خوشی ہوئی۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔اس کتاب پر اظہارِ خیال سے پہلے احادیث کی جمع و ترتیب پر تھوڑی سی گفتگو مناسب ہوگی۔

احادیث کی جمع و ترتیب اور تحقیق کی کوششیں

قرآن مجید کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنت دین کی اساس ہے۔اسلامی معاشرہ اس پر کاربند رہا۔سنت کی حفاظت، روایت اور کتابت کا سلسلہ عہدِ رسالت ہی سے شروع ہوگیا۔ بعد میں صحاح ستہ اور دیگر کتبِ حدیث اس کا ماخذ بن گئیں اور ایک وسیع ذخیرہ وجود میں آ گیا۔اس کے ساتھ ان میں موجود روایات کی صحت وضعف سے بحث ہونے لگی اور اس وسیع ذخیرے سے استفادہ کی راہیں نکالی گئیں۔یہاں اس سلسلہ کی بعض اہم خدمات کا ذکر کیا جارہا ہے۔

کتبِ حدیث میں صحاح ستہ کو دیگر کتبِ حدیث سے زیادہ مقبولیت حاصل رہی ہے۔حافظ رزین بن معاویہ عبدریؒ (المتوفیٰ ۵۳۵ھ) نے اپنی کتاب 'تجرید الصحاح' میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور موطا امام مالک کی روایات کو یکجا کردیا ہے۔سند حدیث حذف کردی ہے۔صرف صحابیؓ رسول کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کو علماء میں خاص اعتبار حاصل

رہا ہے۔مشہور مجموعۂ حدیث 'مشکوٰۃ المصابیح' میں بھی رزین کے حوالے موجود ہیں۔

چھٹی صدی عیسوی کے عظیم محدث علامہ ابن الاثیر الجزریؒ (المتوفیٰ ۶۰۶ ھ) نے اس کتاب کو اپنی تحقیق کا موضوع بنانا چاہا تو اس میں کئی خامیاں دیکھیں۔مثلاً جس حدیث کو جس باب میں ہونا چاہیے وہ متعلقہ باب کی جگہ دوسرے باب میں درج ہوگئی ہے۔اس میں احادیث کی تکرار بھی پائی جاتی ہے۔اسی طرح مذکورہ کتب کی بعض روایات اس میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں۔ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے کتاب کی ترتیب میں صحیح بخاری کو سامنے رکھا ہے۔اس کا پوری طرح تتبع دشوار ہے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے اس کی نئی ترتیب کی ضرورت محسوس کی اور '**جامع الاصول فی احادیث الرسول**' کے نام سے اسے از سر نو مرتب کیا۔ انہوں نے بخاری اور مسلم کی روایات کے سلسلہ میں امام حمیدیؒ کی کتاب 'الجمع بین الصحیحین' پر اعتماد کیا ہے۔ باقی روایات کو ان کے اصل مآخذ سے لیا ہے۔ ابواب کی ترتیب حروفِ تہجی کے لحاظ سے رکھی ہے،جس میں ندرت بھی ہے اور مواد کی تلاش میں آسانی بھی ہے۔

ابن اثیرؒ کی کتاب '**النہایۃ فی غریب الحدیث**' لغتِ حدیث پر ایک معتبر کتاب ہے۔لغاتِ حدیث پر بعد کے اصحابِ علم نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ابن اثیرؒ کی '**جامع الاصول**' میں لغتِ حدیث بھی شامل ہے،جس سے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کتاب کی ایک کمی یہ ہے کہ اس میں سندِ حدیث پر کلام نہیں ہے۔اس لیے حدیث کی صحت وضعف کو معلوم کرنا دشوار ہوتا ہے۔ یہ کتاب مشہور محقق عبدالقادر الأرناؤوط کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔اس میں اس کمی کو بڑی حد تک دور کردیا گیا ہے۔انہوں نے مرویاتِ کتاب کی صحت وضعف کو تفصیل سے واضح کیا ہے۔کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء میں دارالفکر بیروت سے تیرہ (۱۳) جلدوں میں شائع ہوا ہے۔یہی اس وقت پیش نظر ہے۔

ابن اثیرؒ کے بعد مشہور محدث نورالدین ہیثمیؒ (م ۸۰۸ھ) نے اپنی کتاب 'مجمع الزوائد ومنبع الفواید' میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث :مسند احمد،طبرانی،مسند بزار اور مسند ابویعلیٰ کی وہ روایات جمع کی ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں

ہیں۔ان کو فقہی ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، جو اٹھارہ ہزار سات سو چھہتّر (۱۸،۷۷۶) احادیث پر مشتمل ہے۔اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں روایات کی صحت وضعف سے بھی بحث ہے، جس سے اس کا درجۂ استناد معلوم ہوجاتا ہے۔ یہ کتاب عبداللہ محمد الدرویش کی تحقیق اور ایڈیٹنگ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ انہوں نے کتاب کی روایات کا اصل مآخذ سے موازنہ کیا ہے، حوالے مکمل کیے ہیں، سند حدیث پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔اس طرح کتاب زیادہ قابلِ اعتماد ہوگئی ہے۔ یہ کتاب دارالفکر بیروت سے ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء میں دس (۱۰) جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

ہیثمیؒ کے بعد محمد بن محمد بن سلیمان الرودانی المالکیؒ (المتوفیٰ ۱۰۹۴ھ) نے ابن اثیرؒ کی 'جامع الاصول' اور ہیثمیؒ کی 'مجمع الزواید' دونوں کو اپنی کتاب '**جمع الفوائد ومجمع الزوائد**' میں جمع کیا ہے۔ان احادیث کو حذف کردیا جو موضوع یا ناقابل اعتبار ہیں۔ یہ کتاب بیروت وغیرہ سے شائع ہوچکی ہے۔اس کا جدید ایڈیشن شیخ محمد معاویہ سعدی اور شیخ محمد طارق سہارن پوری کی تحقیق کے ساتھ مظاہر علوم سہارن پور سے اعلیٰ معیار سے شائع ہورہا ہے۔ان کی تحقیق کی اہل علم نے ستائش کی ہے۔

تخریج حدیث

حدیث کے جمع وترتیب کی جو قابل قدر اور بے مثال کوششیں ہوئیں اس کے باوجود حدیث کے وسیع ذخیرے میں ضعیف اور موضوع روایات بھی شامل ہوگئیں۔اس کا دائرہ تفسیر، شروحِ حدیث، فقہ، تصوف اور دیگر علومِ اسلامیہ تک وسیع ہے۔اہل علم نے ان میں وارد احادیث کی صحت وضعف کو واضح کیا ہے۔اس سلسلہ کی بعض اہم تصنیفات کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔فقہ حنفی کی مشہور کتاب '**ہدایہ**' '**مختصر القدوری**' کی شرح ہے۔اس میں فقہ حنفی کی تائید میں جن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے، امام زیلعیؒ نے اپنی کتاب '**نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایۃ**' میں ان کی تخریج کی ہے، جس سے بہ آسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس حدیث کی سند کیا ہے؟ اور اس کی ہم معنیٰ روایات ہیں تو وہ کیا ہیں؟

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تلخیص **'الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ'** کے نام سے کی ہے۔

۲۔فقہ شافعی کے امام ابوالقاسم الرافعیؒ کی کتاب **'العزیز شرح الوجیز'** ہے، جو **'شرح الکبیر'** کے نام سے معروف ہے۔(یہ کتاب علی معوض اور عادل عبدالموجود کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۹۷ء میں شائع ہوچکی ہے)اس میں وارد احادیث کی تخریج کئی اہل علم نے کی ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے ان سب سے استفادہ کرتے ہوئے **'تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر'** مرتب کی ہے، جو اپنے موضوع پر ایک جامع اور مبسوط تصنیف ہے۔مصنف نے لکھا ہے کہ فروعی احکام کے سلسلے میں فقہاء کرام اپنی تصنیفات میں اپنے اپنے مسلک کے حق میں بطور دلیل جو احادیث پیش کرتے ہیں یہ کتاب ان سب پر حاوی ہے۔مصنف کا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے۔اس کتاب میں دوہزار ایک سو اکسٹھ(۲۱۶۱)احادیث زیر بحث آئی ہیں۔حافظ ابن حجرؒ حدیث اور اسماء الرجال کے امام ہیں۔اس وجہ سے کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، جس سے اصل کتاب میں وارد روایات کی حیثیت تفصیل سے واضح ہوجاتی ہے۔ مکتبہ نزار مصطفی الباز نے اسے بڑے اہتمام سے اپنی قابلِ قدر تحقیقات وتعلیقات کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔اس کے علاوہ فہرست اور انڈکس کی بھی دو جلدیں ہیں۔

۳۔امام غزالیؒ کی **'احیاء علوم الدین'** تصوف اور فلسفہ وحکمتِ دین کی معروف تصنیف ہے۔اس میں انھوں نے بہ کثرت احادیث سے استدلال کیا ہے۔حافظ زین الدین عراقیؒ نے **'المغنی عن حمل الأسفار فی الأسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الأخبار'** کے نام سے ان احادیث کی تخریج کی ہے، جو اس کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

۴۔ابن قدامہ حنبلیؒ کی **'المغنی'** فقہ حنبلی کی مستند اور مبسوط تصنیف ہے۔اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ موافق ومخالف دلائل پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں اور اس سلسلہ کی روایات پر جرح وتعدیل کا اہتمام کرتے ہیں۔اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن پندرہ(۱۵) ضخیم جلدوں میں (آخری جلد انڈکس پر مشتمل ہے)۱۹۹۲ء میں قاہرہ سے شائع ہوا ہے۔

فتنۂ وضعِ حدیث

ایک طرف جمع وترتیبِ حدیث کی غیر معمولی خدمت انجام پارہی تھی، دوسری

طرف اسلام دشمن عناصر نے وضعِ حدیث کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ یہ بہ ظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، لیکن اصلاً دین وشریعت کو مسخ کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ قرآن مجید میں تو کوئی تحریف نہیں کر سکتے تھے، البتہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے تھے جو آپؐ کی تعلیمات کے خلاف تھیں۔ وہ درحقیقت آپؐ کا نام لے کر آپؐ کی صاف وشفاف تعلیمات کو غبار آلود کر رہے تھے۔ شروع ہی سے محدثین نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ اس موضوع پر متاخرین کی اہم تصنیفات کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ مشہور محدث ومفسر علامہ ابن جوزیؒ (۵۱۰۔۵۹۷ھ) کی 'کتاب الموضوعات' ایک ضخیم کتاب ہے، جو عبدالرحمن محمد عثمان کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۱۹۶۶ء میں تین (۳) جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ حافظ سخاویؒ (۸۳۱۔۹۰۲ھ) کی 'المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ' کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ یہ محمد عثمان الخشت کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۳۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۱۔۹۱۱ھ) نے ایک مبسوط کتاب 'اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ' لکھی، جو دو (۲) جلدوں میں ابوعبدالرحمن صلاح بن محمد بن عویضہ کی تخریج وتعلیق کے ساتھ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) کی 'الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ' بھی موضوع احادیث پر مختصر لیکن جامع کتاب ہے، جو دارالکتب العلمیۃ بیروت سے ایک جلد میں شائع ہو چکی ہے۔

۵۔ ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) کی 'المصنوع فی معرفۃ الموضوع فی الحدیث' بھی اس موضوع پر ایک علمی کوشش ہے، جو مشہور محدث اور محقق عبدالفتاح ابوغدہؒ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

ترغیب وترہیب

محدثین نے احکام سے متعلق احادیث کے سلسلے میں تو اسناد کی تحقیق اور جرح وتعدیل کا اہتمام کیا ہے، لیکن بعض اہل علم نے فضایلِ اعمال اور ترغیب وترہیب سے متعلق روایات میں اس معیار کو باقی نہیں رکھا اور کم زور سے کم زور روایات کو بھی قبول کرلیا۔ دلیل یہ دی کہ اس سے اعمالِ خیر کی طرف توجہ ہوتی ہے اور بد عملی سے اجتناب کا جذبہ ابھرتا ہے۔ حالاں کہ کسی عمل کی ترغیب یا ترہیب بھی دین کا حصہ ہے۔ اس میں کمی بیشی سے اعمال میں اہم اور غیر اہم کا فرق کرنا دشوار ہوتا ہے اور شریعت نے احکام میں جو توازن اور اعتدال رکھا ہے، وہ باقی نہیں رہتا۔

ترغیب وترہیب سے متعلق ابوالعباس بن حجر مکی ہیثمیؒ کی تصنیف **'الزواجر عن اقتراف الکبایر'** معروف ہے، جسے عبداللہ الشافی نے حواشی اور تعلیق سے آراستہ کیا ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن دارالکتب العلمیۃ لبنان سے ۱۹۹۳ء میں دو(۲) جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

اس موضوع پر سب سے بہتر اور مفید کتاب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ (م۶۵۶ھ) کی **'الترغیب والترهیب'** ہے۔ کتاب کے آغاز میں وہ کہتے ہیں کہ علماء نے ترغیب وترہیب کے سلسلہ میں تساہل کو روا رکھا ہے، حتّٰی کہ موضوع روایت کے موضوع ہونے کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ حافظ منذریؒ نے اپنے مآخذ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اپنے طریقۂ کار کی بھی وضاحت کردی ہے۔ کسی حدیث میں نکارت (عام تعلیمات کے خلاف) ہو، یا اس کا موضوع اور باطل ہونا واضح ہو تو اسے ترک کردیا ہے۔ اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں ترغیب وترہیب کی روایات کے بیان کے ساتھ ان کی صحت وضعف کی وضاحت کردی گئی ہے۔ حدیث کے راویوں میں سے بعض کے بارے میں محدثین کی رایوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن احادیث میں اس طرح کے راوی پائے جاتے ہیں ان کو صحیح یا ضعیف قرار دینے میں بھی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ حافظ منذریؒ نے اس طرح کے جن راویوں سے روایات لی ہیں، کتاب کے آخر میں ان کا اور ان کے بارے میں محدثین کی رایوں کو یکجا ذکر کردیا ہے۔ یہ ایک اہم

اور بڑی علمی خدمت ہے۔ اس کتاب کا ایک عمدہ اور نفیس ایڈیشن چار (۴) جلدوں میں دار الکتب العلمیۃ لبنان سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے۔ یہی پیش نظر ہے۔

علامہ البانی کی خدماتِ حدیث

احادیث کی جمع وترتیب سے متعلق قدماء کی بعض اہم تصانیف کا اب تک ذکر تھا۔ دورِ حاضر میں بھی اہلِ علم نے حدیث کی غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ اس وقت ہم اس دور کے نامور محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ کا ذکر کریں گے۔

شیخ البانیؒ علومِ حدیث پر حوالہ اور سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ حدیث پر ان کی تصنیفی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے ان کی دو اہم تصانیف کا ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔**سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ وشیء من فقھھا وفوائدھا**۔(مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۹۹۵ء)

یہ کتاب سات (۷) ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور اس میں چار ہزار پینتیس (۴،۰۳۵) احادیث جمع کی گئی ہیں۔

۲۔شیخ البانیؒ کی ایک بڑی خدمت **سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ وأثرھا السیئ فی الامۃ**' (مکتبۃ المعارف، ریاض) ہے، بلکہ انہوں نے پہلے اسی سے آغاز کیا تھا۔ اس میں سات ہزار ایک سو باسٹھ (۷،۱۶۲) ضعیف روایات جمع کی گئی ہیں۔

دونوں تصانیف میں ایک ایک حدیث پر محدثانہ انداز میں بحث ہے۔ بعض بحثیں کافی طویل ہیں، جس سے ان کی دقّتِ نظر کا پتہ چلتا ہے، لیکن کوئی بھی تحقیق حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ شیخ البانیؒ سے بھی فروگزاشتیں ہوئی ہیں۔ اہلِ علم نے ان کی طرف توجہ دلائی ہے، لیکن اس سے ان کے وسیع کام کی قدر وقیمت کم نہیں ہوتی۔ ان کی کسی رائے سے اختلاف کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ متونِ حدیث اور ان کے رواۃ پر وہ جیسی ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اس کی مثال قدماء میں بھی کم ملے گی۔ شیخ البانیؒ کے مزاج میں درشتی ہے۔ اپنے مخالفین کے جواب اور ان پر نقد وتبصرہ میں لب ولہجہ اور جارحانہ

انداز وہ اختیار کرتے ہیں، جو ان کے علم وفضل سے میل نہیں کھاتا۔ حدیث وسنت سے مدّت العمر تعلق اور اس کی غیر معمولی خدمت کا ان کی تنقیدوں میں بھی اثر ہونا چاہیے، جو کم ہی نظر آتا ہے۔

احادیث کی بحث وتحقیق کی جدید سہولتیں

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ اب ہمارے سامنے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ ان احادیث کی اسناد اور ان کے صحت وضعف کا علم بھی آسان ہے۔اس کے علاوہ اور بعض سہولتیں بھی حاصل ہیں، جو ایک صدی قبل نہیں پائی جاتی تھیں، جس کی وجہ سے تحقیق کا کام زیادہ دشوار تھا۔ اس کی ایک مثال حدیث کا انڈکس ہے، جو مشہور مستشرق پروفیسر ونسنک کی نگرانی میں مستشرقین کی ایک جماعت کی کوشش کا ثمرہ ہے۔اس میں صحاح ستہ، مسند دارمی، موطا امام مالک اور مسند امام احمد بن حنبل کی روایات کا حوالوں کے ساتھ ذکر ہے۔ اگر حدیث کا ایک لفظ بھی معلوم ہوتو اس سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ حدیث کی مذکورہ کتابوں میں کس جگہ آیا ہے؟ یہ کتاب المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی کے نام سے سات (۷) جلدوں میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۶۹ء کے درمیانی عرصے میں لیدن سے شائع ہوئی۔ بعد میں ترکی، استنبول اور تونس وغیرہ سے بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی۔اس سے قبل پروفیسر ونسنک نے حدیث اور سیرت کے چودہ (۱۴) بنیادی مآخذ کا ایک مختصر انڈکس A Handbook of Early Muhammad Tradition کے نام سے ۱۹۲۷ء میں شائع کیا۔ مشہور فہرست نگار محمد فؤاد عبد الباقی نے اس کا عربی ترجمہ تصحیح وتحقیق کے بعد 'مفتاح کنوز السنۃ' کے نام سے کیا۔اس پر علامہ رشید رضا مصری نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ یا اس جیسی کتاب مجھے اپنے علمی کام کے ابتدائی حصے میں مل جاتی تو میری عمر کا ایک تہائی حصہ بچ جاتا، جو احادیث کی تلاش وجستجو میں صرف ہوا۔

المکتبۃ الشاملۃ نے تو پوری لائبریری اہل علم کے سامنے رکھ دی ہے۔اب تو انٹرنیٹ نے اور زیادہ آسانیاں فراہم کردی ہیں۔ کسی بھی موضوع سے متعلق احادیث

اوران کی فنّی حیثیت کا بہ یک نظرعلم ہوجا تا ہے اور مضمون نگار محدّ ثِ وقت معلوم ہونے لگتا ہے۔ہمارے اسلاف کوتلاش وتحقیق کے لیے جوزحمتیں برداشت کرنی پڑیں اورتیل کے دیے کی روشنی میں راتیں گزارنی پڑتی تھیں، آج کا محقق اس طرح کی دقتوں سے محفوظ ہوگیا،لیکن ان جدید سہولتوں سے کم ہی اہلِ علم فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ڈاکٹرضیاءالرحمن اعظمی کے کام کی خصوصیات

محدثین نے حدیث کے جمع وترتیب، تحقیق وتخریج اور جرح وتعدیل کی جو وسیع الاطراف اور بے نظیر خدمات انجام دی ہیں، ان میں سے بیش تر ڈاکٹرضیاء الرحمنؒ کے پیش نظر رہی ہیں۔اس سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انہیں آگے بڑھایا ہے۔انہوں نے براہ راست صحیح احادیث کا ایک جامع مجموعہ مرتب کرنے کی غیر معمولی کاوش کی ہے۔ان کی تحقیقات بالکل نئی نہیں ہیں۔دیگر محدثین کے ہاں بھی وہ مل جائیں گی۔لیکن کتاب کی خوبی یہ ہے کہ ہر حدیث کے سلسلہ میں خود سے انہوں نے تحقیق کی ہے اور صحتِ حدیث پر اطمینان کے بعد اسے شاملِ کتاب کیا ہے۔ اس کتاب کی بعض خصوصیات یہ ہیں:

۱۔آیاتِ قرآنی سے آغاز۔اس کا ممکنہ حد تک اہتمام کیا گیا ہے کہ کتاب کے ہر باب کا آغاز قرآن مجید کی آیات سے ہو۔

امام بخاریؒ بعض اوقات باب کے شروع میں قرآن مجید کی آیات بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔امام نوویؒ نے بھی ’ریاض الصالحین‘ میں اس کی پابندی کی ہے کہ آیاتِ قرآنی سے باب شروع ہو۔ریاض الصالحین کا موضوع ادب واخلاق ہے۔ ڈاکٹرضیاء الرحمنؒ کا میدانِ عمل وسیع ہے۔ وہ دین کے سب ہی پہلوؤں پر حاوی ہے۔ قرآن کے حوالے سے ان کی بحث باوزن ہوجاتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث درحقیقت قرآن کی تفسیر اور تشریح ہے۔اس کی دوایک مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

کتاب الایمان میں باب ۱۰ کی ابتدا قرآن مجید کی ان آیات سے ہوئی

ہے: **وَلِلّٰهِ الأَسمَاءُ الحُسنیٰ**۔ الاعراف: ۱۸۰۔ سورۂ اسراء میں فرمایا: **قُلْ اُدْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الأَسمَاءُ الحُسنیٰ**۔ ۱۱۰۔ کہو تم اللہ کہہ کر اسے پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکاروگے اس کے لیے تمام اسماء حسنیٰ ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لله تسعة و تسعون اسما، مأة الا واحدة، لا يحفظها أحد الا دخل الجنة۔ وهو وتر يحب الوتر۔

(اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم سو۔ جو کوئی ان کو حفظ کرلے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ اللہ طاق (واحد) ہے اور وہ وحدانیت کو پسند کرتا ہے۔)

ترمذی میں ان اسماء کی تفصیل ملتی ہے۔ لیکن یہ سنداً کم زور ہے۔ یہ غالباً کسی راوی کی فراہم کردہ ہے۔ البتہ ان اسماء کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہوتا ہے۔ اس لیے معناً اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔

اس حدیث سے متعلق بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ خود قرآن مجید اور صحیح احادیث میں اسمائِ الٰہی اس سے زیادہ ہیں۔ محققین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ ہم اسمائِ الٰہی کو کسی خاص تعداد میں محدود نہیں کرسکتے۔ اس لیے کہ اللہ کے بہت سے اسماء وہ ہیں جو پردۂ غیب میں ہیں، جن کا علم صرف اسی کو ہے۔ اس مسئلہ پر خاصی تفصیل انہوں نے فراہم کی ہے اور صفات کے بارے میں سلف کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔ (ص ۲۲۸۔ ۲۳۷)

اسی سلسلے کی ایک بحث 'باب نفی التشبیه عن اللّٰه تعالیٰ' ہے۔ اس میں تین آیات کا حوالہ دیا گیا ہے:

۱۔ **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ**۔ الشوریٰ: ۱۱۔ (اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے دیکھنے والا ہے۔)

۲۔ **هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا**۔ مریم: ۶۵۔ (کیا تو اس کا شریک جانتا ہے۔)

۳۔ فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ۔ النحل: ۷۴۔ (اللہ کے لیے مثالیں مت دو۔)

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث قدسی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قال اللّٰہ تعالیٰ: یشتمنی ابن آدم، وما ینبغی له ان یشتمنی، ویکذبنی وما ینبغی له، اما شتمه فقوله: ان لی ولدا، واما تکذیبه فقوله: لیس یعیدنی کما بدأنی۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھ سے دشنام طرازی کرتا ہے، حالاں کہ اسے یہ نہیں کرنا چاہیے اور وہ میری تکذیب کرتا ہے، جب کہ اسے تکذیب نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی دشنام طرازی اس کا یہ قول ہے کہ میری اولاد ہے اور اس کا یہ کہنا میری تکذیب ہے کہ جس طرح اس نے مجھے پیدا کیا ہے اس طرح وہ مجھے دوبارہ نہیں پیدا کرے گا۔)

بخاری کی ایک اور روایت میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ **کذبنی ابن آدم ولم یکن له ذٰلک، وشتمنی ولم یکن له ذٰلک۔ أما تکذیبه إیّای أن یقول: إنی لن أعیده کما بدأته، وأما شتمه إیّای أن یقول: اتّخذ اللّٰہ ولداً، وأنا الصمد الذی لم ألد، ولم أولد، ولم یکن لی کفواً أحد، ”لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔“**

(ابن آدم نے میری تکذیب کی۔ اسے اس کا حق نہیں ہے۔ مجھ سے اس نے دشنام طرازی کی۔ یہ اس کے لیے درست نہیں ہے۔ میری تکذیب جو اس نے کی وہ اس کا یہ قول ہے کہ میں دوبارہ اس کا اعادہ نہیں کروں گا، جیسا کہ پہلے اسے پیدا کیا ہے۔ اس کی دشنام، اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے اپنے لیے اولاد اختیار کر رکھی ہے، حالاں کہ میں 'صمد' ہوں، جس کے نہ اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ میرا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ ”**لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔**“

اس عاجز نے اپنی کتاب 'خدا اور رسول کا تصور۔ اسلامی تعلیمات میں' اللہ تعالیٰ کی صفات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ضمناً اس حدیث کا حوالہ دیا ہے اور اس سلسلہ میں جو سوالات ابھرتے ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ” شاید خدا کے ننانوے اسماء اس کی بے شمار صفات کے ننانوے عنوانات ہوں اور پھر ہر عنوان کے تحت بہت سی صفات آتی ہوں۔ اگر اس پہلو سے جائزہ لیا جائے تو اس بات

کا امکان ہے کہ قرآن وحدیث میں جن اسمائِ الٰہی کا ذکر ہے ان کو ننانوے عنوانات کے تحت لایا جاسکے۔'' (ص ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر غور کرتے وقت انسان اللہ کو اپنی ذات پر قیاس کرنے لگتا ہے اور اسے ان صفات سے متصف کرنے لگتا ہے جو خود اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اس سے وہ ان کم زوریوں کو بھی اس کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے جو اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ سورۂ اخلاص میں اس کی تردید ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا حسب نسب دریافت کیا تو اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ یہود نے بھی یہ سوال کیا تھا، اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ لیکن یہ سورت مکی ہے۔ یہود نے مدینہ میں یہ سوال کیا ہوگا۔ اس پر آپ نے یہ سورت انہیں سنائی ہوگی۔

کتاب میں اس سلسلہ کی زیادہ تر روایات جمع کردی گئی ہیں اور ان کی صحت وضعف سے بحث کی گئی ہے۔ اس طرح پہلی بحث کی اس سے تکمیل ہوتی ہے۔

راقم نے آیات واحادیث کی روشنی میں ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات پر تفصیل سے بحث کی ہے اور انسانی صفات اور اوصافِ خداوندی کا فرق بھی واضح کیا ہے۔ (خدا اور رسول کا تصور۔ اسلامی تعلیمات میں۔ ص ۱۹۹۔ ۲۴۲)

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ عنوانِ باب کے تحت صحیحین اور موطا امام مالک کی احادیث کو مقدم رکھا ہے۔ اس کی ہم معنیٰ جو صحیح روایات دیگر کتبِ صحاح یا حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں، ان سب کو اسی ذیل میں جمع کردیا ہے۔ اس سے مسئلہ زیر بحث کو حدیث کی روشنی میں زیادہ وضاحت اور تفصیل سے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ کتاب کی ہر بحث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے:

۱۔ کتاب الاشربۃ میں حرمتِ خمر کی بحث ہے۔ اس میں تدریج رہی ہے۔ فتح مکہ کے دن قطعی حرمت کا حکم آیا۔ اس سے پہلے جو لوگ شراب پیتے رہے اللہ انہیں معاف کردے گا۔ شراب کے استعمال پر سخت وعید۔ جو شراب کے عادی ہیں ان کے لیے

شدید تہدید۔ شراب ہر برائی کی جڑ ہے۔شراب کو دوسرے نام سے استعمال کرنا گناہ ہے۔ ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور وہ حرام ہے۔ ان برتنوں کے استعمال کی ممانعت جن میں نبیذ تیار ہوتی تھی، جو بعد میں شراب کی شکل اختیار کرلیتی۔

ان مختلف ابواب کے تحت انھوں نے حسبِ معمول آیات کے حوالے دیے ہیں۔اس کے بعد صحیحین اور موطاامام مالک کے علاوہ کتبِ صحاح: ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کی روایات پیش کی ہیں۔ اسی کے تحت مسند احمد، مستدرک حاکم، ضیاء مقدسی، طبرانی، ابن حبان، ابن خزیمہ، ابویعلیٰ موصلی، بیہقی، بزار، بخاری (الادب المفرد) دار قطنی سے احادیث جمع کی ہیں۔ (ج ۷،ص ۶۸ ۔ ۱۲۵)

ایک اور مثال کتاب الجہاد سے پیش کی جارہی ہے:

۲۔ جہاد کی فضیلت سے متعلق سورۂ توبہ (۱۱۱۔ ۱۱۲) اور سورۂ صف: ۱۰۔ ۱۲ کی آیات کے ذکر کے بعد فضیلتِ جہاد سے متعلق جو روایات جمع کی ہیں ان میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، مستدرک حاکم، ابن حبان، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسنداحمد، موطا امام مالک، ابن مبارک (کتاب الجہاد) ابن راہویہ، بیہقی، طبرانی، عبدالرزاق (مصنّف) نعیم بن حماد الدانی، ابن ابی شیبہ شامل ہیں۔اس سے جہاد کی فضیلت مختلف جہات سے واضح ہوتی ہے۔

پوری کتاب کا یہی انداز ہے۔اس میں شک نہیں کہ یہ مباحث کتبِ حدیث، خاص طور پر شروحِ حدیث میں موجود ہیں۔ اس پہلو سے اس میں کوئی نیا مواد نہیں ملے گا۔البتہ اس کی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے مسئلہ زیر بحث کے تحت پیش کردہ ہر حدیث کی صحت وضعف کا تعین براہ راست تحقیق کے ذریعہ کیا ہے۔اس طرح ایک قابل اعتماد مجموعہ پیش کرنے میں وہ کام یاب ہیں۔

بحث ونظر

بین الاقوامی تعلقات اور اسلامی قانون

ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

اسلام اور بین الاقوامی تعلقات پر راقم نے اپنی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق' میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کا ایک مستقل عنوان ہے: 'اسلامی ریاست اور بین الاقوامی تعلقات' (ص ۲۵۱۔ ۲۷۵)۔اسی طرح 'تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث' کا ایک مضمون ہے: دار الاسلام اور دار الحرب کا تصور۔ جدید عالمی پس منظر میں (ص ۵۳۔ ۷۰) اس میں بھی ذیلی عنوان 'بین الاقوامی معاہدوں کا احترام (ص ۶۱ ۔ ۶۲) کے تحت اسلامی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ ذیل کے مقالے میں بعض نئے حوالوں سے یہی تفصیل بیان ہوئی ہے۔اس پہلو سے اسے شائع کیا جارہا ہے۔ (جلال الدین)

بین الاقوامی تعلقات اور اسلامی قانون کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بین الاقوامی تعلقات دراصل سماجی رابطوں اور ضرورتوں کے لیے ناگزیر ہیں۔ جب عالمی تناظر میں باہم قوموں کے روابط خوش اسلوبی اور فلاح وصلاح کی بنیاد پر استوار ہوں گے تو اس کے نتائج بھی مثبت اور دوررس نکلیں گے۔ اسلامی قانون غیر مسلم اقوام سے تعلقات قائم کرنے میں مانع نہیں ہے، بلکہ اس نے اس کی اجازت دی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور اس کا پیغام بھی عالمی ہے، اس مناسبت سے اسلام میں بین الاقوامی تعلقات پر مشتمل ہدایات ،قواعد وضوابط اور صدیوں کے تجربات پر مشتمل ایک قیمتی ذخیرہ موجود ہے۔ اسلام کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس نے انسانوں کے درمیان نسلی ،لسانی اور فرقہ وارانہ فروق و امتیازات کی حتی الامکان حوصلہ شکنی کی ہے۔ مگر

جہاں فطرت ایسے کسی فرق کی متقاضی تھی وہاں اسلام نے اس فرق کو باقی رکھتے ہوئے معاشرے کے لیے اس کے فائدے کو بیان کر دیا ہے۔

اس طرح جو افراد اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ بین الاقوامی تعلقات کے خدو خال مغرب نے وضع کیے ہیں، انہیں اسلام کی ابتدائی تاریخ پر انصاف سے نظر ڈالنی ہوگی، تب ہی کسی فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کی کئی اہم اور اولین تحریری دستاویزات ملتی ہیں۔ میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر معاہدات اس کی روشن مثالیں ہیں۔ مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے میثاق مدینہ پر The First Written Constitution in the World کے عنوان سے کتاب لکھی ہے۔ پھر 'سیر' (یعنی بین الاقوامی تعلقات) کے نام سے علامہ واقدیؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام زید بن علیؒ کی کتابوں کے علاوہ سیر اوزاعی، سیر امام محمد اور سرخسی کی شرح السیر الکبیر اور شرح السیر الصغیر، انتہائی اہم کتابیں ہیں۔ دور جدید میں اس موضوع پر کام کرنے والے محققین کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عامر الزمان، شریف باسیوی، سہیل ہاشمی، ابراہیم کلین، خالد ابو الفضل، علامہ یوسف القرضاوی، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر عبد الکریم زیدان اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے نام سر فہرست ہیں۔[۱]

معاہدات اور اسلامی قانون

بقائے باہم اور تعلقات کو وسیع پیمانے پر استوار کرنے کے لیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلموں/ اقلیتوں کے حقوق کا ہر اعتبار سے خیال رکھے اور عملی جامہ پہنائے اور غیر مسلم اقوام سے سماجی، سیاسی، معاشی اور مذہبی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے معاہدات بھی کرے۔ معاہدات کے ذریعہ ہی بین الاقوامی تعلقات کو وسعت و توانائی بخشی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید اور سنت نبویؐ سے جنگ اور امن دونوں حالتوں میں معاہدہ کرنے کا جواز ثابت ہے۔ قرآن میں ہے:

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ (النساء:۹۰)

"البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِلاَّ الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُواْ لَكُمْ فَاسْتَقِيمُواْ لَهُمْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (التوبۃ:۷)

''بجزان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ تو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھی طرح رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الانفال:۶۱)

''اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے''۔

معاہدہ کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلاَّ عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الانفال:۷۲)

''اور اگر وہ تم سے دین کے معاملے میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا (واجب) ہے، مگر ان کے مقابلے میں نہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو''۔

معاہدہ کے جواز میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی ملتے ہیں اور خلفائے راشدین کے دور کی مثالیں بھی۔ ان کی روشنی میں پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام میں معاہدات کرنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ اسلامی قانون کی رو سے اسے بین الاقوامی تعلقات کی حفاظت کے لیے ایک اہم ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔

معاہدات کے لیے شرائط

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو معاہدات طے پاتے ہیں ان کے

لیے ضروری ہے کہ فریقین میں سے ہرایک کی اپنی مرضی اس میں شامل ہو، معاہدے کا مقصد کسی جائز غرض کا حصول ہو، اس غرض کا حصول ممکن بھی ہواور وہ غرض اس ہدف کے مطابق ہو جو مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کا نصب العین ہے اور وہ یہ کہ امن قائم ہوجائے۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اس سلسلے میں چند شرائط کا ذکر کیا ہے:

۱۔معاہدہ کرنے کی اہلیت ہو

۲۔باہمی رضامندی یا آزادانہ فیصلہ

۳۔معاہدے کی تشکیل

۴۔معاہدے کا واضح ہونا

۵۔معاہدے کا مضمون اور اس کا اثر۔۲؎

معاہدات کی پابندی ضروری ہے

بین الاقوامی تعلقات کی بحالی کے لیے لازمی ہے کہ انہیں نبھایا جائے اور انھیں توڑنے کا ارتکاب نہ کیا جائے۔اس معاملے میں اسلامی قانون کا فیصلہ دوٹوک ہے کہ جو بھی معاہدات کیے جائیں، انہیں تکمیل تک پہنچایا جائے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (المائدۃ:۱)

''لوگو جو ایمان لائے ہو! عہدوں کو پورا کرو''۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً (الاسراء:۳۴)

''اور عہد کو پورا کیا کرو، بے شک (ایسے) عہد کی (قیامت میں) باز پرس ہوگی''۔

معاہدات کی تکمیل کے سلسلے میں قرآن مجید میں یہ ہدایت دی گئی ہے:

إِلاَّ الَّذِيْنَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئاً وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَداً فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبۃ:۴)

(ہاں) مگر وہ مشرکین (مستثنیٰ ہیں) جن سے تم نے عہد کیا، پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کرو۔ واقعی اللہ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الَّذِيْنَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لاَيَنقُضُونَ الْمِيْثَاقَ (الرعد: ۲۰)

"(اور) یہ (سمجھ دار) لوگ ایسے ہیں کہ اللہ سے جو کچھ انہوں نے عہد کیا ہے، اس کو پورا کرتے ہیں اور اس (عہد) کو توڑتے نہیں ہیں"۔

اللہ کے رسول ﷺ نے منافقین کی جو صفات بیان کی ہیں ان میں سے ایک صفت یہ بھی ہے:

واذاعاهدغدر ۳؎

"اور جب کوئی معاہدہ کرے تو اسے توڑ ڈالے"۔

حضورؐ نے اپنے اصحاب کو جاہلی دور کے اچھے معاہدوں کی پاس داری کرنے کی تاکید کی ہے:

أوفوابحلف الجاهلية فانه لايزيده يعنى الاسلام الاشدةً ولا تحدثوا حلفاً فى الاسلام۔ ۴؎

"زمانۂ جاہلیت کے عہدوپیمان پورے کرو، کیوں کہ اسلام انہیں اور مضبوط کرتا ہے، البتہ اپنی طرف سے کوئی (خلافِ اسلام) معاہدہ نہ کرو"۔

حلف الفضول عہد جاہلیت کا ایک نہایت مہتم بالشان معاہدہ تھا۔ اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا:

لقد شهدت فى دار عبدالله بن جدعان حلفاً ماأحبّ انّ لى به حمر النعم، ولو أدعىٰ به فى الاسلام لأجبت۔ ۵؎

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا، جو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ عزیز ہے۔ اگر آج اسلام کی حالت

میں مجھے اس کی دعوت دی جائے تو میں اسے ضرور قبول کرلوں گا''۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے کہ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ کے دوران غیر مسلموں کے ساتھ ہر قسم کی تدابیر استعمال کرنا جائز ہے، بشرطے کہ اس میں عہد شکنی یا امان کی خلاف ورزی نہ ہو۔۶؂

رسول اللہ ﷺ کے معاہدے

رسول اللہ ﷺ نے مختلف افراد اور قبائل سے جو معاہدات کیے، ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ہجرتِ مدینۃ سے لے کر غزوۂ خندق تک کے معاہدے۔ ان میں میثاقِ مدینہ کے علاوہ آس پاس کے رہنے والے یہودی قبائل اور اوس وخزرج سے معاہدے قابلِ ذکر ہیں۔

۲۔ غزوۂ خندق سے لے کر فتح مکہ تک کے معاہدات۔ ان میں سب سے اہم صلح حدیبیہ ہے۔

۳۔ فتح مکہ سے لے کر آپؐ کی وفات (۱۱ھ) تک کے معاہدے۔ آپؐ نے بہت سے عرب قبائل کو ضمانتیں دیں، مثلاً عامر بن اسود الطائی، ابن اسد، بنی غفار، ابن نجران، یوحنہ بن رباع اور اہل ایلاء وغیرہ۔

معاہدہ کی مدت

اسلامی قانون میں اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ معاہدہ کی مدت کب سے کب تک ہوگی؟ نیز اس کے اجراء وعمل کا کیا طریق کار ہوگا؟ ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے لکھا ہے:

> ''اسلام میں معاہدے کے نفاذ کا آغاز اس کے طے ہوجانے سے ہی ہوجاتا ہے۔ اس کے لیے تحریری شکل میں آنے، دستخط ہوجانے، یا باقاعدہ اسے منظر عام پر لانے اور تصدیق کرنے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بشرطے کہ معاہدہ ملک کے کسی ریاستی نمائندہ مجاز کی جانب سے عمل میں لایا گیا ہو۔ معاہدے کے ختم ہونے کی تاریخ

کے لیے شرعاً ایسے الفاظ معاہدے کے متن میں شامل ہوا کرتے ہیں اور معاہدے کی نوعیت کے اعتبار سے اس کا حکم بھی بدلتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ امان یافتہ کو اسی وقت امان حاصل ہوجاتی ہے جب اسے امان دہندہ کی طرف سے اس کی پیش کش کا علم ہوجائے۔ البتہ شوافع کے نزدیک امان کا آغاز پیش کش قبول کرنے سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا طے کردہ عرصے کے مطابق ہوتی ہے''۔ ۷؎

جب کوئی معاہدہ طے ہوجائے تو فریقین کے مابین جاری جنگ کو روک دیا جائے گا۔ اسی طرح اس معاہدہ میں جن امور کو شامل کیا گیا ہے ان کو معاہدے کے مطابق انجام دیا جائے گا۔ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے:

''امن معاہدہ یا تو مطلق (بغیر تعیین میعاد) ہوگا یا پھر ایک متعین مدت کے لیے۔ مطلق ہونے کی صورت میں اس کو صریحۃً یا دلالۃً منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ صریحۃً تنسیخ تب ہوگی جب معاہدے کے فریق صاف الفاظ میں اس کے منسوخ ہونے کا اعلان کریں۔ دلالۃً تنسیخ اس وقت ہوگی جب کوئی ایسی حالت وقوع میں آئے جو معاہدے کے منسوخ ہونے پر دلالت کرے، مثلاً دارالموادعۃ کے کچھ لوگ اس دار کی حکومت کی اجازت سے دارالاسلام میں داخل ہوکر کسی جگہ پر ڈاکہ ڈالیں۔ اس صورت میں حکومت کی اجازت معاہدے کی تنسیخ پر دلالت کرے گی''۔ ۸؎

ائمہ ثلاثہ (شافعیؒ، مالکؒ، حنبلؒ) کا مسلک یہ ہے کہ دوسرے فریق کی طرف سے کسی قسم کی مخالفت نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں پر معاہدے کا احترام، معاہدے کی میعاد تک واجب ہے، جب کہ احناف میں سے علامہ کاسانیؒ کا موقف یہ ہے کہ معاہدے کا احترام میعاد ختم ہونے تک اس پہلو سے واجب نہیں کہ اگر مسلمانوں کا امام اس کو مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف سمجھے تو وہ فریقِ مخالف کو معاہدہ ختم کرنے کا نوٹس دے سکتا ہے۔ ۹؎

تنسیخ معاہدہ کے اسباب

کسی معاہدہ کو منسوخ کرنے کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں:

۱۔ معاہدہ کی طے شدہ مدت پوری ہوجائے تو اسے منسوخ سمجھا جائے گا۔ قرآن میں ہے:

إِلاَّ الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئاً وَلَمْ يُظَاهِرُواْ عَلَيْكُمْ أَحَداً فَأَتِمُّواْ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (التوبۃ:۴)

"(ہاں) مگر وہ مشرکین (مستثنیٰ ہیں) جن سے تم نے عہد لیا، پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی، سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کرو۔ یقیناً اللہ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

اس کی ایک مثال حدیبیہ کے مقام پر ہونے والا معاہدۂ صلح ہے۔ اس کی میعاد دس (۱۰) برس طے کی گئی تھی۔ اس موقع پر حضرت ابوجندلؓ کفار سے بھاگ کر مقامِ معاہدہ پر آئے، لیکن چوں کہ معاہدہ مکمل ہو چکا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں واپس کر دیا اور فرمایا: "ہمارے لیے عہد شکنی ٹھیک نہیں"۔[۱۰]

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان رومی حکومت کے خلاف معاہدۂ امن کی میعاد مکمل ہونے سے قبل روانہ ہوئے، تاکہ مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر دیں۔ اس موقع پر حضرت عمرو بن عبسہؓ نے زور دے کر کہا کہ وعدے کا خیال رکھا جائے اور اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"اگر کسی کا کسی فریق کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو تو اس کی مدت ختم ہونے تک اس کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہئے اور اگر دوسری طرف سے خلاف ورزی کا خطرہ ہو تو معاملہ بالمثل کے تحت تنسیخ معاہدہ کا نوٹس دیا جائے گا"۔[۱۱]

۲۔ معاہدہ کو منسوخ کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ دوسرے فریق کی جانب سے اس کی کسی بنیادی شق کی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ (التوبۃ: ۴)

۳۔ معاہدہ کو اس وقت بھی منسوخ کیا جا سکتا ہے جب دوسرا فریق تیسرے فریق کی مدد کرے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہو۔ اسے معاہدے کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ ہوئی تھی تو اس کی ایک شرط یہ تھی کہ ہر فریق کو اختیار ہوگا کہ وہ جس کو چاہے اپنا حلیف بنا لے۔ چنانچہ بنوخزاعہ کا قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بنا اور بنوبکر، کفار کا۔ یہ معاہدہ دس (۱۰) برس کے لیے طے ہوا تھا۔ معاہدہ کی میعاد پوری ہونے سے قبل کفار مکہ نے اپنے حلیف قبیلہ بنوبکر کی مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ پر حملہ کرنے میں مدد کی۔ بنوخزاعہ نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ یہ معاہدے کی صریح خلاف ورزی تھی۔ آپؐ نے کفار مکہ کو کہلا بھیجا کہ بنوبکر کے ساتھ تعلقات ختم کر دیں، یا مقتولین کی دیت اور نقصان کا ضمان ادا کریں، ورنہ معاہدہ کو منسوخ سمجھا جائے گا۔ ۱۲؎

علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے:

> ”تیسرے فریق کی طرف سے جارحیت معاہدے میں شامل فریق کی مرضی سے ہونی چاہیے، ورنہ اس کو خلاف ورزی تصور نہیں کیا جائے گا۔ جیسے لٹیروں کا ایک گروہ دارالموادعہ سے دارالاسلام اول الذکر کے امیر کی اجازت سے آئے اور یہاں ڈاکہ ڈالے تو اس کو امن معاہدے کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا، کیوں کہ امیر کی اجازت خلاف ورزی کی صاف دلیل ہے“۔ ۱۳؎

۴۔ اگر دوسرے فریق کی جانب سے کسی خیانت یا سازش کا علم ہو جائے تو ایسی صورت میں بھی مدت پوری ہونے سے قبل معاہدہ کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

> وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاء إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الخَائِنِينَ (الانفال:۵۸)

''اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ (وہ عہد) ان کو اس طرح واپس کر دیجیے کہ (آپ اور وہ اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے:

''مسلمان سربراہ جس وقت خیانت محسوس کرے، یا قول و فعل کے قرائن سے معلوم ہو جائے کہ معاہدہ کرنے والی قوم اس کو توڑنے والی ہے تو وہ ان سے معاہدہ توڑ سکتا ہے، مگر ان کو واضح الفاظ میں بتا دے کہ میں معاہدہ ختم کر رہا ہوں، اس طرح کہ یہ بات دونوں فریقوں کو صاف معلوم ہو جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ معاہدہ ختم کرنے کی دھمکی دے کر انہیں خبردار کر دے، مگر اس وقت تک جنگ شروع نہ کرے جب تک انہیں توقع ہو کہ ابھی معاہدہ باقی ہے، کیوں کہ ایسا کرنا خیانت ہوگی، جو حرام ہے''۔ [۱۴]

معاہدوں کی اقسام

اسلامی قانون میں جن معاہدات کا تذکرہ ملتا ہے، ان میں سے کچھ سیاسی نوعیت کے ہیں، کچھ مذہبی اور کچھ معاشی۔ ان کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

سیاسی معاہدے

مسلم ماہرین قانون نے لکھا ہے کہ سیاسی معاہدہ کبھی دائمی ہوتا ہے اور کبھی عارضی۔ اس کا تعین معاہدہ کرنے والے فریق کرتے ہیں، صرف معاہدے کے مضمون میں اس کا تعین نہیں ہوتا۔ سیاسی نوعیت کا پہلا معاہدہ تاریخ اسلام میں 'میثاق مدینہ' کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ یہ معاہدہ پچپن (۵۵) دفعات پر مشتمل ہے۔ اس کے فریق محمد ﷺ، یہود (خصوصاً بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ)، نصاریٰ، مہاجرین، انصار اور قریش شامل تھے۔ اس معاہدے کے بارے میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے:

"مسلمانوں، مدینہ کے قبائل اور یہود کے درمیان یہ صحیح معنیٰ میں پہلا سیاسی معاہدہ تھا، جس کے تحت ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کو ممنوع قرار دیا گیا، بیرونی حملہ آور کے مقابلے میں باہمی اتفاق وتعاون کا التزام کیا گیا، مشترکہ دفاع کا حلف اٹھایا گیا، دفاعی اخراجات مشترکہ طور پر برداشت کرنے کا پیمان کیا گیا اور دیگر متعلقہ لوازم کی فراہمی پر بھی اتفاق کیا گیا۔ یوں مسلمانوں کے آپس کے روابط بھی منظم ہوگئے اور دیگر پڑوسیوں کے ساتھ بھی بہتر ہمسائیگی والے تعلقات استوار ہوگئے، جو امن وسلامتی قائم کرنے کا ایک خوب صورت نمونہ سمجھا جاتا ہے"۔ ۱۵ے

میثاق مدینہ کی سیاسی اور سماجی حیثیت

میثاق مدینہ کی شکل میں دنیا میں پہلی مرتبہ اقلیتوں کو تحریری شکل میں حقوق ومراعات سے نوازا گیا۔ یہ دنیا کا اولین تحریری دستور ہے۔ اس نے جہاں ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی دعوتی اور تبلیغی مساعی کو ایک نئے مرحلے میں داخل کیا وہیں اسلام کو ہمیشہ کے لیے عالمی سطح پر ایک نمایاں اور بے مثال مقام عطا کیا۔ یہ تحریری دستور اس وقت مرتب ہوا جب دنیا کسی آئین یا دستور سے نا آشنا تھی۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک کے دساتیر میں امریکہ کے دستور کو مثالی دستور قرار دیا جاتا ہے، مگر چودہ سو سال قبل تیار ہونے والا 'میثاق مدینہ' اس سے کہیں زیادہ جامع اور مکمل دستور ہے، جس میں تمام طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے اور مختلف مملکتی وظائف کی ادائیگی کا طریقۂ کار طے کیا گیا ہے۔

معاشی معاہدات

دوطرفہ بیرونی تجارت کا نظام قائم کرنے کے لیے تجارتی معاہدہ کرنا اسلام میں جائز ہے، اس لیے کہ اصولاً اسلام چاہتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات اس طرح قائم ہوں کہ آزادانہ تجارت ہو اور ضروری اشیاء کی فراہمی ممکن ہو۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے:

"حضور ﷺ نے قریش کی ذیلی شاخوں کے درمیان طے پانے والے حلف کو قصی بن کلاب کی موت کے بعد برقرار رکھا تھا۔ قریش قصی

بن کلاب کو کھانے کا سامان مہیا کرتے تھے، جس سے وہ حاجیوں کے لیے کھانا فراہم کرتے تھے۔ اس معاہدے کا مضمون حاجیوں کی خدمت کی ذمہ داریاں تقسیم کرتا تھا، اس طرح کہ کوئی قبیلہ پانی پلائے، کسی کے پاس جھنڈا ہو اور کوئی مشاورت کا اہتمام کرے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس حلف کو برقرار رکھا اور فرمایا کہ عہد جاہلیت میں کیے گئے اس عہد کو اسلام نے مزید مستحکم کیا ہے۔"[۱۶]

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

اشترى رسول الله ﷺ من يهودي طعاماً بنسيئة و رهنه درعاً من حديد۔[۱۷]

"نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس لوہے کی زرہ رہن رکھی"۔

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہود کے ساتھ مزارعت کا معاملہ فرمایا، اس طرح کہ وہ زراعت کریں گے اور پیداوار کا آدھا حصہ آپ کو ادا کریں گے۔ جب بٹائی کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ پیداوار کا اندازہ کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو روانہ کرتے تھے۔[۱۸]

فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر مسلم حتیٰ کہ حربی کے ساتھ بھی تجارتی معاملہ کرنا جائز ہے، البتہ یہ تجارت ایسی اشیاء کی نہیں ہونی چاہیے جن سے غیر مسلموں کو براہ راست جنگی فائدہ پہنچے۔[۱۹]

قیامِ امن کے لیے معاہدہ

بین الاقوامی تعلقات کو بحال کرنے کے لیے ایسے معاہدے کرنا بھی درست ہے جو معاشرے میں امن وامان اور خیر وسلامتی کو فروغ دیں۔ چنانچہ قرآن وحدیث کی تعلیم یہ ہے کہ جنگ سے قبل امن وصلح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے:

ومنها جواز ابتداء الامام بطلب صلح العدو اذ رأى المصلحة

للمسلمین۔۲۰؎

"امام کے لیے جائز ہے کہ وہ دشمن سے صلح کی درخواست کرے مسلمانوں کی بھلائی کے لیے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِلاَّ الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُواْ لَكُمْ فَاسْتَقِيمُواْ لَهُمْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (التوبۃ:۷)

"مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے، سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں، تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

اسلامی قانون میں عارضی اور مستقل دونوں طرح کے معاہدات کرنے کا جواز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں طرح کے معاہدات کیے ہیں۔ مستقل معاہدات میں بنوضمرہ، بنوغفار، بنواشجع، بنوخزیمہ، اہلیان نجران وغیرہ سے کیے جانے والے معاہدات کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ عارضی مدت کے معاہدات میں عقبہ بن ابی امیہ سے کیا گیا معاہدہ قابلِ ذکر ہے، جو چار(۴) ماہ کے لیے ہوا تھا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ بھی متعین مدت کے لیے ہوئی تھی۔

فقہاء احناف کا موقف یہ ہے کہ امام المسلمین مسلمانوں کا فائدہ اور مصلحت مدنظر رکھتے ہوئے دائمی یا عارضی معاہدہ، جو چاہے، کرسکتا ہے۔

قیام امن کے لیے معاہدہ کرنے کی نہ صرف اجازت ہے، بلکہ اگر امام المسلمین بھلائی، صلح کرنے میں محسوس کرتا ہے تو صلح کی درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حتیٰ کہ امام احمد اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو بڑے نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے مال دے کر صلح کرنا بھی جائز ہے۔۲۱؎

معاہدۂ امن کی شرائط

امان دینے کے لیے تین چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے: ایک یہ کہ امان دینے

والا مسلمان ہو۔اس امان کی دو صورتیں ہیں :ایک عام اور دوسری خاص۔عام کا مطلب یہ ہے کہ اتنی تعداد میں لوگوں کے لیے ہو جن کا شمار کرنا ممکن نہ ہو، جیسے پورے علاقے کے لوگوں کے لیے امان دی جائے۔اس قسم کی امان صرف مسلمانوں کا حاکم یا اس کا نائب ہی دے سکتا ہے، جیسا کہ جنگ بندی کے معاہدہ میں ہوتا ہے۔امان خاص یہ ہے کہ ایک شخص یا گنتی کے چند لوگوں کو امان دی جائے۔ ایسی امان کوئی بھی مکلف مسلمان دے سکتا ہے، چاہے وہ جنگ کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔لہٰذا غلام، عورت، بوڑھا، کم عقل اور مفلس مسلمان بھی ایسی امان دے سکتا ہے، البتہ پاگل اور نابالغ اس سے مستثنیٰ ہیں۔دوسرا حصہ اس کا وہ فریق ہے جس کے لیے عقد امان کیا جا رہا ہے۔ یہ عقد ایک فرد کے لیے بھی ہو سکتا ہے یا ایک سے زائد لوگوں کے لیے بھی۔ وہ مرد بھی ہو سکتے ہیں اور عورتیں بھی۔ تیسرا حصہ اس کا عقد امان کے الفاظ ہیں۔اس سے مراد ہر ایسا لفظ ہے جس سے صراحتاً یا کنایہ کے طور پر امان کا مطلب سمجھ میں آتا ہو۔اس کی طرف سے اس پیش کش کو قبول کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کسی غیر مسلم نے امان کی پیش کش کو قبول نہیں کیا تو یہ معاہدہ منعقد نہیں ہوگا۔ ۲۲؎

رفاعہ بن زید خزاعی صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انھوں نے آپؐ کی خدمت میں ایک غلام تحفہ پیش کیا اور اسلام بھی قبول کیا۔آپؐ نے انھیں ایک مکتوب لکھ کر ان کی قوم کی طرف بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا:

> ”یہ مکتوب محمدؐ کی طرف سے رفاعہ بن زید کے لیے ہے۔ میں نے انہیں ان کی قوم کی طرف اور جو بھی ان میں شامل ہو، بھیجا ہے۔ یہ ان سب کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دیں گے۔جس نے یہ دعوت قبول کرنے کے لیے قدم بڑھایا وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی جماعت میں شامل ہو جائے گا اور جس نے منھ پھیرا اسے دو ماہ کے لیے امان دی جائے گی“۔ ۲۳؎

عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین میں بھی بہت سے ایسے امن کے معاہدے ہوئے، جنھیں مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب الوثائق السیاسیۃ میں جمع کر دیا ہے۔

اسلامی قانون اورسفارتی تعلقات

سفارتی تعلقات باہم ملکوں کے مابین ایک ناگزیر ضرورت ہے۔اس کی جتنی ضرورت پہلے ہوتی تھی اس سے کہیں زیادہ آج ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک ملک کے دوسرے ملک میں سفارت خانے ہوتے ہیں اور وہاں باضابطہ سفیر کا تعین ہوتا ہے۔ اسلامی قانون میں سفیر کے حقوق کا ذکر ملتا ہے۔اس کا تحفظ ضروری ہے، کیوں کہ سفیر اپنے ملک کا نمائندہ ہوتا ہے۔

اسلامی قانون میں سفیروں کے لیے مختلف پہلوؤں سے تحفظ، دیکھ بھال، محفوظ مقام اور مناسب احترام دینے کی بات کہی گئی ہے، تاکہ وہ لوگ اپنا کام بہ خوبی سرانجام دے سکیں۔رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کذاب کے قاصدوں کو قتل نہیں کیا، بلکہ فرمایا:

اما واللہ، لولا انّ الرسل لاتقتل لضربت اعناقکما۔ ۲۴؎

”اگر میں قاصدوں کو قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کردیتا۔“

قریش نے ابورافع کو حضورؐ کے پاس بھیجا تو اس نے حضورؐ کو دیکھتے ہی اسلام قبول کرلیا۔اس کے باوجود آپؐ نے انھیں قریش کے پاس واپس بھیج دیا اور فرمایا:

انی لاأخیس بالعھد ولاأحبس البرد، ولکن ارجع، فان کان فی نفسک الذی فی نفسک الآن فارجع۔ ۲۵؎

”میں معاہدہ نہیں توڑتا، نہ فرستادوں کو قیدی بناتا ہوں۔اس لیے تم واپس چلے جاؤ۔اگر تمہارے دل میں اس وقت بھی ایمان باقی رہے تو پھر واپس چلے آنا“۔

قریش کی طرف سے آنے والے سفیر مکرز بن حفص کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے بتادیا تھا کہ وہ فاجر آدمی ہے،لیکن بحیثیت سفیر آپؐ نے اس کی بات سنی اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔۲۶؎

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر عروہ بن مسعود ثقفی نے گفتگو کے دوران رسول اللہ ﷺ کی بے اکرامی کی اور جاہلیت کی بعض درشت عادات کا ارتکاب

کرتا رہا، لیکن آپؐ نے اس کی کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔ ۲۷؎

سفراء کے سلسلے میں مذکورہ شواہد کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ سفیروں اور وفود کو امان اور تحفظ دینا جائز ہے اور سیاسی مندوب کو مسلم ممالک میں معاہدۂ امان کے بغیر بھی آنے کی اجازت ہے۔ ۲۸؎

فقہاء نے دشمن کے وفود کے ساتھ بدعہدی اور غداری کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چاہے دشمن اپنے ہاں مسلمان یرغمالیوں کو قتل بھی کر ڈالے، پھر بھی ان کے وفود کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ بعض صحابہ کا قول ہے کہ غداری اور عہد شکنی کیے بغیر اگر عہد کو پورا کیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ بدعہدی اور غداری کے بدلے بدعہدی اور غداری کی جائے۔ ۲۹؎

سفیروں کے ساتھ بدعہدی اور غداری کو ممنوع قرار دینے کا ضابطہ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۴۹ء میں مرتب ہوا۔ اس سے پہلے تاریخ شاہد ہے کہ عیسائی لوگ مسلمان سفیروں کا قتل کرتے رہے ہیں، مگر اسلامی تعلیمات کی پابندی کرتے ہوئے کسی بھی مسلم حکومت میں اس طرح کے سلوک کو روا نہیں سمجھا گیا۔ ۳۰؎

اسلامی قانون اور عصری معاہدات

دور حاضر میں اکثر معاہدے دو فریقوں کے درمیان نہیں ہوتے، بلکہ کبھی بہت سے ملکوں کا ایک گروپ کوئی معاہدہ کرتا ہے، مثلاً خلیجی تعاون کی مجلس یا جنوبی ایشیا کے ممالک کی تنظیم (SARC) یا یورپی اتحاد (EU) وغیرہ۔ اسی طرح بہت سے معاہدے ایسے ہوتے ہیں جن میں دنیا کے تقریباً تمام ممالک شریک ہوتے ہیں، مثلاً اقوام متحدہ کا میثاق یا ۱۹۴۹ء کے جینوا معاہدات۔ مندرجہ بالا معاہدوں میں سے بہت سے معاہدے تجارت یا اقتصادی ترقی اور تعاون کے لیے ہیں، یا جنگ کے جواز اور اس کے طور طریقوں کے بارے میں۔ مزید برآں معاہدات کے بارے میں بین الاقوامی قانون زیادہ تر عرف اور رواج پر مبنی تھا۔ تاہم اب اس کا زیادہ تر حصہ 'میثاق و یانا' برائے قانون معاہدات ۱۹۶۹ء کی صورت میں منضبط کیا جا چکا ہے۔ فقہائے کرام نے زیادہ تر بحث امن کے معاہدوں کے بارے میں کی ہے، جن میں فریق یعنی دوسرا ملک غیر مسلم ہو، لیکن ان کی کتابوں میں تجارتی معاہدات یا ان معاہدوں کے بارے میں بھی

جن میں دو سے زیادہ فریق شامل ہوں، رہ نمائی ملتی ہے۔ سب سے اہم قاعدہ 'معاملہ بالمثل' یا المجازات ہے، جس کو فقہاء کرام نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ۳۱؎

اسلامی قانون میں عصری اسلوب و آداب سے ہم آہنگ ہونے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ان کے ایک کسٹم آفیسر نے انہیں خط لکھ کر پوچھا کہ دارالحرب کے تاجروں سے کتنا ٹیکس لیا جائے، جب وہ اسلامی ریاست میں داخل ہوں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مسلمان تاجروں سے دارالحرب والے فی داخلہ جتنا ٹیکس لیتے ہیں اتنا ہی ٹیکس ان کے تاجروں سے لیا جائے۔ اس کی وجہ بتاتے ہوئے امام شیبانی نے لکھا ہے: **لان الامر بيننا و بينهم مبني علي المجازات**۔ (کیوں کہ ہمارے اور ان کے تعلقات کا اصل معاملہ بالمثل پر مبنی ہے۔) امام سرخسیؒ نے مزید لکھا ہے کہ اگر وہ ہمارے تاجروں سے دس (۱۰) فی صد ٹیکس لیتے ہیں تو ہم بھی ان کے تاجروں سے اتنا ہی لیں گے۔ اگر وہ پانچ (۵) فی صد لیتے ہیں تو ہم بھی اتنا ہی لیں گے۔ اسی طرح ہم سال میں صرف ایک ہی مرتبہ ان کے تاجروں سے ٹیکس لیں گے، کیوں کہ وہ ہمارے تاجروں سے ایک ہی مرتبہ لیتے ہیں۔ ۳۲؎

اسلامی قانون میں 'مجازات' کا یہ اصول وضابطہ تجارت ومعیشت کے علاوہ امن وجنگ میں بھی منطبق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی قانون کا بنیادی عنصر برابری اور عدل ومساوات کا قیام ہے۔

اسلامی قانون ایک عالمی اور آفاقی قانون ہے۔ اس میں جو اصول فقہاء نے مرتب کیے ہیں ان کا ماخذ ومصدر قرآن وسنت ہے۔ اسلامی قانون جہاں حالتِ جنگ میں بین الاقوامی تعلقات کو صالح خطوط پر قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے وہیں حالت امن میں بھی غیر مسلم اقوام سے معاہدات کے توسل سے بین الاقوامی تعلقات کو بہتر بنانے کی اجازت دیتا ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ وہبہ زحیلی (ڈاکٹر)، بین الاقوامی تعلقات: اسلام اور بین الاقوامی قانون کا تقابلی مطالعہ، (العلاقات الدولیۃ فی الاسلام مقارنۃ بالقانون الدولی الحدیث کا اردو ترجمہ) مترجم: مولانا حکیم اللہ، بین الاقوامی یونی ورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص م

۲۔ بین الاقوامی تعلقات، حوالۂ سابق، ص ۱۷۸۔۱۹۸
۳۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصائل المنافق
۴۔ سنن ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الحلف
۵۔ السنن الکبریٰ، کتاب قسم الفیی والغنیمۃ، باب عطاء الفیی علی الدیوان ومن یقع بہ البدایۃ
۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، بین الاقوامی تعلقات، اردو ترجمہ، ص ۱۸۵ ۷۔ حوالۂ سابق، ص ۲۰۱
۸۔ مرغینانی، برہان الدین، الہدایۃ، قاہرہ، داراحیاء التراث العربی، ج ۲، ص ۲۳۳
۹۔ شیرازی، المہذب، ج ۲، ص ۳۳۳۔۲۳۳۔ المغنی، ابن قدامہ، ج ۱۰، ص ۵۲۱۔۵۲۰، کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۰ء، ج ۶، ص ۷۵
۱۰۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ناشران وتاجران کتب اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶ء، ج ۱، ص ۲۶۰
۱۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام یکون بینہ وین العدو عھد
۱۲۔ سہ ماہی، فکرونظر، اسلام آباد، مقالہ: فقہ اسلامی میں جنگ وصلح کے معاہدوں کا تصور، مقالہ نگار: پروفیسر محمد منیر، ج ۴۷، شمارہ ۱، ص ۵۲ ۱۳۔ بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۷۷
۱۴۔ بین الاقوامی تعلقات، اردو ترجمہ، ص ۲۵۸ ۱۵۔ حوالۂ سابق، ص ۲۱۷۔۲۱۸
۱۶۔ حوالۂ سابق، ص ۲۰۷ ۱۷۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء الامام الحوائج
۱۸۔ سنن ابی داوٗد، کتاب البیوع، باب فی الخرص ۱۹۔ شرح السیر الکبیر، ج ۳، ص ۱۷۷
۲۰۔ صالحی، علی احمد محمد، الضوء المنیر علی التفسیر، مؤسسۃ النور، ومکتبہ دارالاسلام، بدون سنۃ، ج ۵، ص ۳۵۷
۲۱۔ ابن قدامہ، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، عالم الکتب، ریاض، ۱۹۹۷ء، ج ۱۳، ص ۱۵۶
۲۲۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، بین الاقوامی تعلقات، اردو ترجمہ، ص ۲۳۴۔۲۳۷
۲۳۔ حوالۂ سابق، ص ۲۳۷ ۲۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرسل
۲۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام یستحق بہ فی العھود
۲۶۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۶۶ ۲۷۔ زادالمعاد، ج ۲۰، ص ۵۲۸
۲۸۔ کتاب الخراج، ص ۱۸۸ ۲۹۔ السیر الکبیر، ج، ص ۳۲۰
۳۰۔ بین الاقوامی تعلقات، ص ۲۱۱
۳۱۔ سہ ماہی فکرونظر اسلام آباد، مقالہ: فقہ اسلامی میں جنگ وصلح کے معاہدہ کا تصور، مقالہ نگار: پروفیسر محمد منیر، ج ۴۷، شمارہ ۱، ص ۵۸
۳۲۔ شیبانی، محمد بن حسن، کتاب السیر الکبیر، ج ۵، ص ۲۸۵۔۲۸۶

سنوسی تحریک: تاریخ، خدمات اور اثرات

[ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے افکار کا مطالعہ]

________ جناب احمد حماد ہاشمی

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی تصنیف 'الحرکۃ السنوسیۃ الصوفیۃ فی شبہ الافریقیہ الشمالیہ' (The Sanusiyyah Movement of North Africa-an analytical Study) پہلی بار ۲۰۰۱ء میں شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے زیر اہتمام طبع ہوئی۔ یہ کتاب محض تاریخی معلومات فراہم نہیں کرتی، بلکہ اس دور کی مذہبی اور سیاسی تحریک کے گہرے مطالعے پر مبنی ہے، جس کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے نہ صرف ایک ایسی حکومت کے قیام کی کوشش کی جو شرعی بنیادوں پر قائم ہو، بلکہ تزکیۂ نفوس اور صوفیانہ اعمال واشغال کے ذریعے سے اپنے کارکنوں کی اصلاح وتربیت کا بھی فریضہ انجام دیا۔

یہ تصنیف گہرے تجزیے پر مبنی ہے، جو نہ صرف اس تحریک کے متعلق اہم معلومات فراہم کرتی ہے، بلکہ شمالی افریقہ کے سماجی اور سیاسی پس منظر کو بھی نمایاں کرتی ہے، جس سے اس تحریک کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

مقدمۂ کتاب میں ڈاکٹر محمود غازی لکھتے ہیں:

"اٹھارویں اور انیسویں صدی میں استعماری قوتوں کی بالادستی اور مسلمانوں کے سیاسی زوال کے دور میں امت مسلمہ کے احیاء کے لیے جن تحریکوں نے کام کیا ان کی تاریخ کے متعدد گوشے نقاب کشائی کے منتظر ہیں۔ انہیں شکوہ ہے کہ ان عظیم شخصیات سے ہمارے اہل علم بہت کم واقف ہیں، جن میں سے ایک صومالی شیخ محمد بد الاحسن ہیں، جنہوں نے انیسویں صدی کے اواخر میں برطانوی استعماری قوتوں کے خلاف صومالی درویشوں کی تحریک کی قیادت کی، جن کا نام بھی استعماری قوتوں کے لیے خوف و دہشت کی علامت سمجھا جاتا تھا اور وہ حقارۃً ان کے لیے Mad Mullah کا نام استعمال

کرتے تھے۔انہیں گلہ ہے کہ ہماری یونی ورسٹی میں جاوا انڈونیشیا کے امام بونجول کے بارے میں تحقیقی مطالعہ ہوا ہے جنہوں نے مشرق بعید کے مسلمانوں کے اسلامی تشخص کی بحالی کے لیے خدمات سرانجام دیں۔وہ اس وقت کی ناگزیر ضرورت قرار دیتے ہیں کہ ہمارے علماء اور محققین تسلسل کے ساتھ زمانۂ قریب کی تاریخ کو کنگھالیں۔ڈاکٹر غازی سنوسی تحریک کو انیسویں صدی کی کام یاب تحریک قرار دیتے ہیں،ان کے نزدیک وہ احیائی تحریکوں میں سے ایک اہم تحریک شمار ہوتی ہے۔''(صفحہ xv-xvi) جس کی بنیاد سید محمد علی السنوسی (۱۷۸۷ـ۱۸۵۹ء) نے رکھی تھی۔کتاب میں اس تحریک کا مفصل تعارف پیش کیا گیا ہے۔

سنوسی تحریک کے اہم مصادر کا مطالعہ

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے تاسف کا اظہار کیا ہے کہ مسلم علماء و محققین نے اس اہم تحریک سے بالعموم بے اعتنائی برتی ہے، حالاں کہ سنوسی الکبیر نے درجن بھر کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور دیگر موضوعات پر تحریر کی ہیں، مگر گزشتہ ایک سو سال میں ان شعبوں کی معاصر تحریروں میں شاید ہی ان کا کوئی حوالہ آیا ہو۔چند عربی کتب کے علاوہ مشرقی زبانوں میں اس تحریک کا کوئی مطالعہ نہیں ہوا۔اردو میں بھی سوائے چند سوانحی مضامین کے کچھ دست یاب نہیں۔

اس کتاب کا بیش تر مواد عربی مصادر اور کچھ مغربی تصانیف سے ماخوذ ہے۔ڈاکٹر غازی نے سنوسی تحریک کے اہم مصادر کا تعارف بھی کرایا ہے۔موضوع سے متعلق زیادہ تر مواد امیر شکیب ارسلان، محمد طیب الاشہب اور فؤاد شکری سے ماخوذ ہے۔ تصوف اور فقہ سے متعلق سنوسیوں کے نظریات براہِ راست محمد بن علی السنوسی سے لیے گئے ہیں۔ڈاکٹر غازی کے نزدیک غالباً اس موضوع کا ناقدانہ مطالعہ Evons Prichard نے کیا ہے، جو برطانوی ملٹری ایڈمنسٹریشن سے منسلک پولیٹیکل آفیسر سرینیکا رہا ہے۔نیکولا زائدہ اور طیب الاشہب کی تحقیقات سے بھی اس تحریک کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ الاشہب کا خاندان چوں کہ براہ راست اس تحریک

سے منسلک رہا ہے اور اشہب نے خود بھی لیبیا میں کے تحت سید ادریس (جو کہ دوسرے بڑے سنوسی سید المہدی کے بیٹے تھے) کی حکومت میں ملازمت بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ قدیم اور مستند ماخذ میں سے امیر شکیب ارسلان کے مفصل نوٹس ہیں، جو انہوں نے امریکی مصنف 'لوتھر' کی تصنیف 'The New World Of Islam' پر تحریر کیے ہیں۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ حجاج نویہدی نے کیا ہے۔ عربی ترجمہ اور امیر شکیب ارسلان کے حواشی 'حاضر العالم الاسلامی' کے نام سے مطبوع ہیں۔ امیر چوں کہ بہ کثرت سفر میں رہتے تھے اس لیے ان کے تقریباً تمام مسلم ممالک کے سربراہوں سے ذاتی تعلقات رہے ہیں۔ اس کتاب کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء میں چار جلدوں میں منظر عام پر آیا، جو سنوسی تحریک سے متعلق مختلف مضامین پر مشتمل ہے، جن میں سنوسی تحریک کے اکابر کے بارے میں، جن سے ان کا ذاتی تعارف رہا ہے، ذاتی نوعیت کی معلومات دی گئی ہیں۔ ڈاکٹر غازی نے اس پر حیرانی کا اظہار کیا ہے کہ باوجود یہ کہ تحریک کے متعلق معلومات کا یہ قدیم ترین اور براہ راست ماخذ ہے، لیکن مغربی یا مشرقی مصنفین نے اسے بالعموم نظر انداز کیا ہے۔ اس کے علاوہ محمد فؤاد شکری نے بھی سنوسی تحریک اور لیبیا کی تاریخ میں اس کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ وہ اولین مسلم اسکالر ہے جس نے اس تحریک کا باقاعدہ اور منظم مطالعہ کیا ہے اور ایک ضخیم تصنیف 'السنوسیۃ۔ دین ودعوۃ' کے نام سے پیش کی ہے، جو ۱۹۴۸ء مین قاہرہ سے طبع ہوئی۔ شکری ۱۹۴۳ء سے لیبیا سے منسلک رہے اور اطالوی تسلّط کے بعد وہاں کا تعلیمی نظام، جو تباہ ہو چکا تھا، اسے از سر نو منظم کیا، جس کے نتیجے میں انہیں سنوسی تحریک کے مطالعے کا بھی موقع ملا۔ (ص ۳۔۶)

سنوسی تحریک کا تیسرا بڑا مصنف محمد طیب الاشہب ہے، جس نے اس موضوع پر پانچ کتابیں تحریر کی ہیں: (۱) السنوسی الکبیر (۲) المہدی السنوسی (۳) ادریس السنوسی (۴) برقۃ العربیۃ امس والیوم (۵) الاخوان السنوسیون۔ مصنف نے قاہرہ میں لیبیا کے سفارت کانے میں پریس کونسلر کی حیثیت سے بھی خدمات سر انجام دی تھیں۔ اس نے

ان دستاویزات سے بھی استفادہ کیا جو اطالوی حملہ آوروں کی لوٹ مار سے محفوظ رہ گئی تھیں۔اس نے سنوسی تحریک کے باقی ماندہ اہم مآخذ سے بھی معلومات جمع کیں، جوزبانی اورتحریری یاداشتوں پر مشتمل تھیں۔تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ معلومات کی فراوانی کے باوجود تاریخی تجزیہ اور ناقدانہ تحقیق پیش نہیں کی گئی۔عام قارین کو ضروری معلومات پیش کرنا ہی اس کا اصل ہدف تھا۔(ص ۶، ۷)

مغربی اسکالرز میں سے ڈاکٹر Evans Pritchard جو بعد میں Oxford University میں عمرانیات کا پروفیسر رہا، اس کے سنوسیوں سے ایک عشرے سے زائد عرصہ تک تعلقات رہے۔سرینکا میں پولیٹیکل آفیسر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دینے کے دوران اس نے خانہ بدوش قبائل سے بھی معلومات حاصل کیں۔اس کی تحقیق کے نتائج ایک شاہ کار تصنیف The Sanusi Of Cyrenaica کے نام سے آکسفورڈ سے ۱۹۴۹ء میں طبع ہوئی۔اس کی تحریریں صرف پیشہ ورانہ معلومات فراہم کرتی ہیں اور سنوسی تحریک کے سیاسی کردار کو اطالویوں کے ساتھ تعلقات کے تناظر میں ۱۹۱۱ سے ۱۹۴۲ تک کے حالات وواقعات پیش کرتی ہیں۔(ص ۷)

ایک اور اہم اور فاضلانہ تصنیف Nicola Ziadeh کی Study of Revivalist a Movement in Islam :Sanusiyyah ہے،جو Leiden سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔یہ تصنیف اگرچہ بہت مختصر ہے،مگر غالباً واحد تحقیقی تصنیف ہے، جو اس تحریک کے تمام اہم پہلوؤں کا جائزہ لیتی ہے۔مصنف نے سنوسی تحریک اور اس کے بانیوں کے مذہبی نظریات پر ناقدانہ نگاہ ڈالنے کی کوشش کی ہے،مگر وہ سنوسیوں کے صوفیانہ افکار کے مطالعہ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔اس تحریک کے فقہی اور قانونی افکار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، جن کا سمجھنا مذہبی فکر کے تناظر میں کم اہم نہیں۔فرانسیسی اور اطالوی ادب میں بھی سنوسی تحریک کے سیاسی اور عسکری پہلوؤں سے تعرّض کیا گیا ہے،مگر یہ معلومات غیر جانب دارانہ نہیں ہیں۔(ص ۷، ۸)

ڈاکٹر غازی ایک اہم فرانسیسی ماخذ Octave Depont اور Xavier Coppolani Les Confreries Religieuses Musulmanes

ہے جس میں انیسویں صدی کی مسلم دنیا میں مختلف مذہبی گروہوں اور صوفی سلسلوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ ایک طرح کی رپورٹ ہے، جو فرانسیسی حکومت کو پیش کی گئی تھی۔ مصنفین نے فرانسیسی استعماری حکومتوں کو متعدد تجاویز دی ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ تمام مذہبی گروہوں سے، قطع نظر ان کے عقائد و نظریات کے، مراسم قائم کیے جائیں، تاکہ ان کو حکومت کی سرپرستی میں لایا جاسکے۔

۲۔ ملک کے عوام سے بھی تعلقات کیے جائیں۔

۳۔ ان صوفی سلسلوں کو، جن کا وسیع جال بچھا ہوا ہے، اپنے سیاسی و معاشی مفادات میں اضافے کے لیے استعمال کیا جائے، تاکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ہماری تہذیب وثقافت کو پھیلایا جاسکے۔

اس نوعیت کا کام اس سنجیدہ غور وفکر اور اس تحریک کے ناقدانہ مطالعہ کے معیار پر پورا نہیں اترتا، جن کے اکثر و بیش تر بیانات مبالغہ آمیزی اور گم راہ کن معلومات پر مبنی ہیں اور ان کی وجہ سے مغربی دنیا میں اس تحریک کے بارے میں غلط فہمیاں جنم پاتی ہیں۔ مثلاً: H.Duveyrier کی تصنیف، جو پیرس سے ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی اور Louis Rinn کی تصنیف الجر (Alger) سے ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔ ان دونوں مصنفین کی تحریں جانب دارانہ اور گم راہ کن معلومات پیش کرتی ہیں۔ ڈاکٹر غازی کے بقول سنوسی پیغام اور نظریہ پیش کرتے ہوئے انھوں نے محمد بن علی السنوسی کی اصل تحریروں پر اعتماد کیا ہے۔ بدقسمتی سے ان کی اصل تصانیف منظر عام پر نہیں آسکیں۔ کچھ تحریریں اطالوی تسلط کے بعد ضائع ہوگئیں اور کچھ نجی ذخیروں میں محفوظ رہیں۔ البتہ ڈاکٹر غازی نے ان کی اکثر مطبوعہ کتب اور رسائل سے، جو فقہ اور تصوف سے متعلق ہیں، کافی حد تک استفادہ کیا ہے۔ (ص ۸، ۹)

ڈاکٹر غازی اس تحریک کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے اسلامی احیائی تحریکوں میں سے کام یاب تحریک قرار دیتے ہیں، جس نے مسلم دنیا کی بیداری میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور عرب اور شمالی افریقہ کے ممالک میں بالخصوص حجاز، مصر، لیبیا، الجیریا، شمالی نائیجیریا، نائیجر، چاڈ اور جنوب مغربی سوڈان پر اس کے گہرے اور دور رس اثرات مرتب

ہوئے ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ترکی اور برصغیر کی تاریخ پر بھی اس کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ سید احمد شریف السنوسی (م ۱۹۳۳ء) نے مسلم دنیا میں بڑی شہرت حاصل کی۔ دیگر ممالک میں آزادی کی جنگ لڑنے والوں کے لیے سنوسی جنگجوؤں کا قائدانہ کردار ہمیشہ قابل تقلید رہا ہے۔ (ص ۱۳)

برصغیر کے مشہور و معروف جرائد البلاغ، الہلال، زمیندار وغیرہ نے بھی مسلم قارئین کی دل چسپی کے لیے سنوسی جہاد کی تفصیلات پیش کی ہیں اور شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی اپنی شاعری کے ذریعے عوام و خواص کے جذبات و احساسات کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔

ڈاکٹر غازی کے خیال میں تاریخ میں پہلی مرتبہ سنوسی تحریک کے نتیجے میں لیبیا ایک واحد سیاسی وجود کی حیثیت اختیار کرتا ہے۔ (ص ۱۳) وہ تین مختلف علاقوں (Regions) پر مشتمل تھا:

۱۔ سرینیکا (جس کو عرب مصنفین 'برقہ' کہتے ہیں)

۲۔ تری پولیتانیہ (جس کو عرب 'طرابلس الغرب' کے نام سے یاد کرتے ہیں)

۳۔ فزان) جو کہ مختلف سماجی گروہوں کا مسکن تھا)

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۴، ۱۹۵۱، ص ۲۷)

اس تحریک کا مقصد اسلام کے اخلاقی، سماجی اور سیاسی احیاء کے لیے ایک تنظیمی بنیاد فراہم کرنا تھا۔ اس کے قائدین نے اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے ہر چیز کی قربانی دی۔ وہ امت کے توسیعی تصور کے قائل تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے علاقائی، لسانی اور گروہی تصورات کا رد کیا، مگر اس پر عمل در آمد عربوں کو متحد اور ان کا تعلیمی شعور بلند کیے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنی مشنری اور احیائی سرگرمیوں کا مرکز ان علاقوں کو بنایا جہاں علم کی بنیادیں راسخ تھیں۔ ان کے حسین تخیل 'حقیقی اسلامی دولت مشترکہ کا قیام' (The Establishment of Truly Islamic Common Wealth) کے لیے یہ بنیادی شرط تھی۔ (محمد اسد، دی روڈ ٹو مکہ، ص ۳۱۴)

ڈاکٹر غازی نے مسلم دنیا میں غلبۂ اسلام اور احیائے اسلام کے لیے اٹھنے والی

تحریکوں کا ذکر کرتے ہوئے اسلام کی داخلی قوت اور مسلم مفکرین اور قائدین کی علمی اور عملی کاوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ مختلف اوقات میں امت کے وقتی زوال سے دوچار ہونے کے باوجود ہر دور کے چیلنجوں کا پامردی سے مقابلہ کیا ہے۔ مغربی دنیا میں نشأۃ ثانیہ اور اصلاح کی تحریکوں کے نتیجے میں تیز رفتار سائنسی اور ٹکنالوجی کی ترقی کا سلسلہ شروع ہوا اور اس نے سیاسی اور عسکری میدانوں میں اس کے غلبے کی راہ ہموار کی۔ مسلم دنیا متعدد چیلنجز سے دوچار تھی۔ مسلم مفکرین نے اس بات کا ادراک کر لیا کہ سیاسی زوال ہمیشہ سماجی اقدار کے خاتمے کا باعث بنتا ہے۔ اس قسم کی صورت حال کم زور عقیدے اور نظریے میں سامنے آتی ہے، کیوں کہ عقیدہ اور نظریہ ہی کسی قوم کی اجتماعی حیات کو قوت و استحکام فراہم کرتا ہے۔ ان کے قائدین کی پختہ رائے تھی کہ مذہب سے مکمل وابستگی ہی انہیں اس دلدل سے نکال سکتی ہے اور انہیں کھویا ہوا سیاسی غلبہ واپس دلا سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی تشریح و تعبیر اپنے عصری سیاق میں پیش کی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر غازی نے دو شخصیات کا خصوصی تذکرہ کیا ہے، جن مین سے ایک شاہ ولی اللہؒ (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۱ء) اور دوسرے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ ۱۲۰۶ھ/۱۷۷۱ء) ہیں۔ ان حضرات نے اپنے اپنے ممالک میں تحریکوں کو منظم کیا۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے شاگردوں نے برصغیر کے مختلف حصوں میں دینی راہ نمائی کا سلسلہ شروع کیا اور علمی مراکز اور مدارس کی بنیاد رکھی، جن کے اثرات دیگر مصلحین اور ان کی اصلاحی تحریکوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد پر شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحب زادے شاہ عبد العزیز کے افکار کا غلبہ رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور ہند و پاک میں اٹھنے والی دیگر مذہبی، سیاسی، سماجی اور علمی تحریکیں کم و بیش شاہ ولی اللہؒ ہی کے افکار کی برگ و بار ہیں۔ عرب دنیا میں شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کو اپنے مذہبی افکار پھیلانے میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، مگر جلد ہی ان کی مخلصانہ کوششوں اور شاہ سعود کے سیاسی اور عسکری تعاون سے انہیں بھرپور کامیابی حاصل کی۔ ان مصلحین نے مسلم معاشرہ کی تعمیر نو میں اپنا کردار ادا کیا اور اسلامی شریعت کے دائرے میں نئے پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے

اصول اجتہاد کو فعال بنانے کے لیے آواز بلند کی۔(ص ۱۵۔۱۷)

اسلامی احیاء کے ان دو مشہور علم برداروں کی وفات کے بعد مسلم دنیا میں متعدد مصلحین نے اصلاح کا کام جاری رکھا۔ شمالی افریقہ میں سنوسی تحریک، نائیجیریا کی فولانی تحریک، ہندو پاک کی جماعت اسلامی اور تبلیغی تحریک، انڈونیشیا کی پادیدری اور مسجومی تحریکیں دراصل انہی کی صدائے بازگشت ہیں، اگرچہ بنیادی طور پر یہ تحریکیں راسخ العقیدگی اور سخت گیر موقف کی حامل تھیں، جن کے اہداف و مقاصد تو یکساں تھے، مگر طریقہ کار میں فرق موجود تھا۔

ان تحریکوں کے بنیادی مقاصد درج ذیل تھے۔

۱۔عقیدۂ توحید کا احیاء۔

۲۔ اسلام کا اصلی شکل میں احیاء اور بدعات کا خاتمہ۔

۳۔غیر مسلم تسلّط کے نتیجے میں مسلم معاشرے میں پنپنے والے غیر اسلامی نظریات کا خاتمہ۔

۴۔حقیقی اسلامی خطوط پر مسلم معاشرے کی تعمیر نو۔

۵۔غیر اخلاقی، غیر مہذب اور غیر انسانی رویوں کا خاتمہ۔

۶۔مساوات، اخوت، اتحاد، انصاف اور دیانت جیسی اسلامی اقدار کا احیاء۔

۷۔اتحاد امت کے نظریے کا فروغ۔

۸۔اسلامی تصورِ ریاست کا احیاء اور خلافتِ راشدہ کے طرز پر اس کا قیام۔

۹۔ یورپی استعماری قوتوں کے زیر تسلّط مسلم ممالک کی آزادی کے لیے جذبۂ جہاد کا احیاء۔

۱۰۔سائنسی اور منظم طریقے سے اسلام کے ابدی پیغام کی وسیع پیمانے پر تبلیغ۔ (ص ۱۷، ۱۸)

ڈاکٹر غازی نے شاہ ولی اللہؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے زیر اثر مسلم دنیا میں شروع ہونے والی دیگر اصلاحی اور احیائی تحریکوں کے باہم مشترک امور اور امتیازات کو بھی اجاگر کیا ہے۔(ص ۱۹۔۲۱)

ڈاکٹر غازی نے سنوسی تحریک کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے درج ذیل امتیازات بیان کیے ہیں:

۱۔ اسلامی تعلیمات سے بدعات کو الگ کرنا اور اسلام کو اس خوب صورت شکل میں پیش کرنا جو خیر القرون، یعنی اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں موجود تھا۔

۲۔ قرآن حکیم، ارشاداتِ نبوی، سنت نبوی اور ابتدائی دور کے علمائے کرام اور سلف الصالحین جن اصولوں پر متفق ہیں ان کی اتباع۔

۳۔ اصول اجتہاد کو فعّال بنانا، جو کہ مسلمانوں کے ہاں طویل عرصہ سے غیر فعال رہا ہے۔

۴۔ اسلام کے جھنڈے تلے پوری دنیا کے مسلمانوں کو یکجا کرنا۔ (ص ۲۲۔ ۲۳)

ڈاکٹر غازی نے سید محمد بن العلی السنوسی کے ایک طویل خط کی نقل پیش کی ہے، جو انہوں نے تحریک شروع کرنے سے قبل مغربی سوڈان کے عوام کو تحریر کیا تھا۔ اس سے تحریک کے مقاصد واہداف نمایاں ہوتے ہیں۔ (ص ۲۳۔ ۶۵)

سنوسی تحریک جن بنیادوں پر استوار ہوئی، ڈاکٹر غازی اس کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کی تین بنیادوں کی نشان دہی کرتے ہیں:

۱۔ نظریاتی بنیاد: جو کہ سنوسی کبیر کے گہرے مذہبی اور سماجی علوم کے مطالعے پر مبنی ہے اور اس دور کے اعلیٰ علمی معیار پر استوار ہے۔ ان کے وسیع علمی تجربات، جو ان کے صوفیانہ طرز زندگی اور ان کے شمالی افریقہ اور عرب دنیا میں طویل صوفیانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں سامنے آئے، اس سے ایک جامع نظریاتی بنیاد تحریک کو فراہم ہوئی۔

۲۔ سماجی بنیاد: جو کہ زاویوں (خانقاہوں) کے سماجی پہلوؤں کے نتیجے میں حاصل ہونے والی قوت سے مستحکم ہوئی۔

۳۔ سیاسی بنیاد: جس نے عظیم صحرا میں موجود منتشر قبائل کی یکجہتی اور وحدت کو منزل کا شعور دیا، جو کہ ایک مستقل سنوسی ریاست کی تشکیل کے ساتھ ایک عسکری اور تنظیمی ڈھانچے کی تشکیل کا باعث بنا۔ (ص ۲۶۔ ۲۷)

دوسرے باب میں ڈاکٹر غازی نے شمالی افریقہ میں اسلام کی تاریخ مختصر انداز

میں پیش کی ہے اور مسلمانوں کی مختلف حکومتوں کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ (ص ۳۱۔ ۴۴)

تیسرے باب میں شمالی افریقہ میں اسلامی ثقافت اور دینیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ (ص ۴۵۔۵۱)

چوتھے باب میں سنوسی تحریک کے مرکز اور مقام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس خطے اور علاقے کے تعارف کے ساتھ وہاں کے باشندوں کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ (ص ۵۵۔ ۶۱)

پانچویں باب میں سنوسی تحریک کے آغاز کے وقت وہاں کی سیاسی وسماجی صورت حال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ (ص ۶۳ ۔۶۹)

چھٹے باب میں ڈاکٹر غازی نے بانی تحریک کی شخصیت اور سوانح کا تعارف پیش کیا ہے اور ان کے تعلیمی ارتقا کے ساتھ ان کے شخصی پہلوؤں کا تعارف بھی کرایا ہے۔ مختلف تعلیمی مراکز میں ان کے قیام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ان کے قیام کی تفصیلات بھی پیش کی ہیں۔ ان کے سلسلۂ شاذلیہ کے صوفیانہ مشاغل اور زاویوں کے قیام کے سلسلہ میں ان کی کوششوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر غازی کے نزدیک انہوں نے تیس سے زائد کتب مختلف علوم وفنون اور تصوف کے موضوع پر تحریر کیں (ص ۷۳۔ ۸۸)۔ ان کا ذاتی کتب خانہ آٹھ ہزار کتب پر مشتمل تھا۔

ساتویں باب میں ڈاکٹر غازی نے سنوسی ثانی سید محمد المہدی (جو کہ سنوسی کبیر کے بیٹے تھے) کے احوال قلم بند کیے ہیں اور کس طرح ان کے والد نے ان کی تربیت کی؟ اس کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ سید مہدی نے انتہائی کامیابی کے ساتھ ۱۸۵۹ء سے ۱۹۰۲ء تک سنوسی تحریک کی قیادت کی۔ (ص ۸۹۔۹۱)

سنوسی تحریک کے پھیلاؤ کے دوران محمد احمد مہدی سوڈانی نے بھی کافی اثر و رسوخ حاصل کرلیا تھا۔ اس نے سنوسیوں کے ساتھ متعدد مرتبہ اتحاد کی کوشش کی، تاکہ اس کی اپنی سیاسی پالیسیاں اور عسکری منصوبہ بندیاں کام یاب ہو جائیں، لیکن سید مہدی نے اتحاد کی ان کوششوں کو قبول نہیں کیا۔ ڈاکٹر غازی نے دونوں کے زاویۂ نظر کے

اختلافی پہلوؤں کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔(ص ۹۲۔ ۳)

سید المہدی کے دور قیادت میں سنوسی اخوان کی تعداد میں چار ملین تک اضافہ ہوا۔ (شکیب ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، ۲/۴۰۰) اور شمالی افریقہ کے بڑے بڑے مقامات پر زاویوں کا طویل سلسلہ قائم ہوا۔ سید المہدی کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس تحریک کو ایک نیم آزادانہ حکومت (Semi Independent Government) میں تبدیل کیا۔ ان کے الفاظ میں وہ ایک کام یاب، صاحب بصیرت، سیاست داں، بہادر جرنیل اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے سرگرم رکن تھے، مگر انہوں نے اس تحریک کے دوسرے دو قائدین کی طرح اپنے پیچھے کوئی تحریری ذخیرہ نہیں چھوڑا۔(ص ۹۴۔ ۹۸)

آٹھویں باب میں ڈاکٹر غازی نے سنوسی تحریک کے تیسرے قائد سید احمد الشریف السنوسی کا تذکرہ کیا ہے۔ شریف السنوسی نے سید المہدی کی وفات کے بعد تحریک کی قیادت سنبھالی۔ وہ اپنے دور کے عظیم اسکالر، صاحب کردار اور بہادر انسان تھے۔ ڈاکٹر غازی کے نزدیک اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ سید بن علی السنوسی بانی تحریک کے بعد کوئی قائد علم و بصیرت میں ان کے پایے کا نہ تھا۔ انہوں نے پندرہ (۱۵) برس تک تحریک کی قیادت کی۔ شریف السنوسی نے زاویوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ ۱۹۱۲ء میں سنوسی اخوان کی تعداد پچاس ملین ہوگئی تھی۔ وہ نہ صرف دینی علوم کے ماہر تھے، بلکہ انہوں نے فزکس اور میتھمیٹکس کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ انہوں نے اپنے دادا کی سوانح مرتب کی۔ علم حدیث پر بھی ان کی تصنیف ہے۔(ص ۹۹۔ ۱۰۶)

نویں باب میں ڈاکٹر غازی نے اس تحریک کے ایک عظیم کردار غازی عمر مختار کا تعارف کرایا ہے، جنہوں نے انتہائی مشکل دور میں اس تحریک کی قیادت سنبھالتے ہوئے جرأت اور بہادری کی عظیم داستان رقم کی اور جہاد کی اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ وہ تقریباً تین عشروں تک جہادی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔(ص ۱۰۷۔ ۱۱۲)

دسویں باب میں مصنف نے سنوسیوں کی ڈپلومیسی کو بیان کیا ہے اور مغربی قوتوں کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔(ص ۱۱۵۔ ۱۳۵)

گیارہویں باب میں سنوسی تحریک کے جہادی اقدامات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور فرانسیسیوں کے ساتھ ان کے تصادم اور جنگ عظیم اول میں ان کے کردار اور اطالویوں کے ساتھ جنگوں کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ (ص ۱۳۷۔۱۴۹)

بارہویں باب میں ڈاکٹر غازی نے سنوسی تحریک کے طریقۂ کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جس میں تحریک کی تنظیم، اس کی ممبر سازی، مجلس شوری، ڈاک کا نظام، فنڈز اور مالیات کی تفصیلات ہیں۔ (ص ۱۵۳۔۱۵۹)

تیرہویں باب میں ڈاکٹر غازی نے سنوسی سرگرمیوں کے اہم مراکز (زاویوں) کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ زاویہ جن اہم شعبوں پر مشتمل ہوتا تھا، ان کے قیام کا طریقۂ کار اور انتظامیہ کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ ان کے الفاظ میں زاویہ نہ صرف ایک مسجد تھا، بلکہ ایک سکول، اخوان کی تربیت کا مرکز، مسافر خانہ، تجارتی مرکز، سماجی سرگرمیوں کا مرکز، قانون و انصاف کی عدالت، عسکری پوسٹ، بینک، ویئر ہاؤس، تجربہ گاہ، بے سہارا لوگوں کی پناہ گاہ، ضیافت خانہ، اسٹوڈنٹ ہاسٹل، قبرستان اور خانقاہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے سربراہ کا معیار، زاویوں کے متعلق زرعی زمینیں، زاویوں کی نگرانی اور رابطہ کاری، ان کی جغرافیائی تقسیم، ان کی تعداد، ان کا تعارف، دیگر مما لک میں زاویوں کا تعارف جیسے مباحث شامل ہیں۔ ڈاکٹر غازی نے سنوسی تحریک کے قائد محمد علی السنوسی کے ان خطوط کا حوالہ دیا ہے، جن میں انہوں نے زاویوں کے قیام اور ان کے فرائضِ کار کو مختصراً بیان کیا ہے، جو انہوں نے البرقہ اور طرابلس کے عثمانی گورنروں کو تحریر کیے تھے۔ ان خطوط میں درج کردہ معلومات کے مطابق ہر زاویہ ایک نائب (خلیفہ) پر مشتمل ہوتا تھا، جسے شیخ یا مقدم بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے فرائض میں لوگوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرانا، جمعہ کی امامت کرنا، قرآنی دروس دینا، لوگوں کی روحانی مشاغل میں راہنمائی کرنا اور اللہ کے بندوں میں دین اسلام کی تبلیغ شامل تھے۔ شیخ کے ذمہ صرف زاویہ سے متعلق اخوان کی تعلیم ہی نہ تھی، بلکہ مہمانوں کو بھی، جو زاویہ کے مہمان خانے میں کچھ عرصہ کے لیے مقیم ہوتے تھے، باہر سے آنے والے تاجروں اور

مسافروں کو بھی، جن کی پاسداری ذہین اخوان کیا کرتے تھے، اس لیے تیار کرتے تھے۔ (ص ۱۶۲) زاویوں سے متعلق زمین اخوان کاشت کیا کرتے تھے۔ وہ شجرکاری کے ساتھ پھل دار درخت بھی لگاتے تھے، جس کے نتیجے میں مقامی آبادی میں اضافہ ہوتا تھا، تہذیب وثقافت ترقی پاتی تھی اور سنوسی تحریک پھیلنے کے ساتھ مستحکم ہوتی تھی۔ (محمد طیب الاشھب، السنوسی الکبیر القاہرۃ، ص ۲۴)

بچوں کو قرآن مجید کی تربیت دینے والا معلم ان سے روزانہ پنج وقتہ نمازوں کی امامت بھی کرواتا تھا۔ تمام اخوان کے لیے لازمی تھا کہ وہ اپنے بچوں کو کسی قریبی قرآنی سینٹر میں بھیجیں۔ کسی کو اس کی اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنے بچوں کو اس تعلیم سے مستثنیٰ رکھے، الّا یہ کہ وہ کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائے۔ ممبر کے لیے دن میں پانچ مرتبہ مسجد میں حاضری ضروری تھی۔ ایک مفتی اور اسکالر کے لیے ضروری تھا کہ وہ اسلامی فقہ اور قانون میں مضبوط بنیاد رکھتا ہو، تاکہ وہ مذہبی اور قانونی معاملات میں قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ دے سکے۔ ہر زاویے میں اس کی تعیناتی کی جاتی تھی۔ بالعموم مشہور سنوسی اخوان کو یہ ذمہ داری سونپی جاتی تھی۔ (ص ۱۶۴)

بڑے بڑے زاویوں کے سربراہ زیادہ تر شمالی افریقہ کے بڑے بااثر خاندانوں سے تھا۔ مراکش، طرابلس، تیونس اور الجیریا کے زاویوں کے سربراہوں کا تعلق مشہور اور معزز خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، جس کے نتیجے میں نہ صرف زاویوں کا وقار بلند ہوا اور ان کے اثر رسوخ میں اضافہ ہوا، بلکہ اس نے سنوسی پیغام کی مقبولیت کی راہ بھی ہموار کی۔ (ص ۱۶۲)

ڈاکٹر غازی کے خیال میں زاویوں کے مراکز کا تصور سید محمد بن علی السنوسی نے عہد وسطیٰ کے رباط سسٹم سے اخذ کیا تھا، جو کہ صومالی افریقہ کے صوفی سلسلوں کے ہاں موجود تھا۔ ان کے مطابق رباط کی بنیادیں عبداللہ بن یاسین کی مرابطون تحریک نے رکھی تھیں، جن کے رباط دراصل روحانی تزکیہ، علمی تکمیل اور عسکری تربیت کے مراکز تھے، مگر بعد میں وہ خانقاہوں میں تبدیل ہو گئے، جہاں پر باطنی علوم کے متلاشی قیام کرتے تھے۔

سید مہدی بن علی السنوسی نے اس رباط سسٹم میں نئی روح پھونکی اور ان کا اصلی شکل

میں احیاء کیا۔ رباط کی یہ نئی شکل اپنی اسلامی اور سماجی خصوصیات کے پہلو سے زیادہ جامع شکل تھی۔ فؤاد شکری ان زاویوں کو اپنے حقیقی مفہوم میں گورنمنٹ کے مراکز قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سنوسی زاویے محض خانقاہیں ہی نہیں تھے، بلکہ ہر طرح کی سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی، تعلیمی اور روحانی سرگرمیوں کے اہم مراکز تھے، جو بعد کے ادوار میں اطالوی تسلط کے خلاف سنوسی مجاہدین کی تاریخی مدافعت کے مضبوط قلعے بن گئے۔ ان کے تجزیے کے مطابق سنوسی قیادت نے اپنی کوششوں کو صرف افریقہ تک محدود نہیں رکھا، بلکہ انہوں نے اپنے نمائندے مسلم دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی بھیجے۔ آرنلڈ کے مطابق اس تحریک کے پیروکار سوڈان، سینی گیمبیا، صومالیہ، عرب، عراق، شام اور ملایا میں موجود تھے، اگرچہ آخری تین ممالک میں سنوسی زاویے موجود نہیں تھے۔ (ص ۱۸۳)

اس تحریک کے اثرات نہ صرف ترکی میں نظر آتے ہیں، بلکہ فؤاد شکری کے مطابق اس کے پیروکار برصغیر ہند و پاک میں بھی موجود تھے۔ مسلم انڈیا کی بعض نام ور شخصیات کے ساتھ ان کے ذاتی تعلقات قائم تھے۔ اس کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ اس تحریک کے بانی نے حجاز میں سید احمد شہیدؒ سے ملاقات کی تھی۔ مزید یہ کہ سید بن علی السنوسی برصغیر کے علماء کے علمی کام سے واقفیت رکھتے تھے۔ ہمیں ان کی تحریروں میں مسلم انڈیا کے معروف علماء مثلاً: شیخ محمد حیات سندھیؒ، جنھیں وہ 'العلامہ المحقق' کے نام سے یاد کرتے ہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حوالے ملتے ہیں۔ (ص ۱۸۴)

چودھواں باب سنوسیوں کی تعلیمی اور دعوتی سرگرمیوں کے تعارف پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر غازی کے نزدیک سنوسی تحریک بنیادی طور پر ایک اسلامی احیائی تحریک تھی، جس کا بنیادی مقصد اسلامی تہذیب وثقافت کا احیاء اور مسلم معاشرے کی اسلامی بنیادوں پر تعمیرِ نو تھی۔ ان کا زیادہ زور تعلیم اور مذہبی ہدایات پر تھا۔ سنوسی شیخ جنہوں نے مشرک بدوؤں میں اسلام کی تبلیغ کی انہیں نومسلم آبادی نے قدرتی طور پر اپنا لیڈر تسلیم کرلیا تھا۔ بدعنوانی اور سماجی برائیوں کا خاتمہ روحانی تزکیہ کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ ان کی دعوتی سرگرمیوں اور اس حوالے سے ان کے جوش وجذبے کا اعتراف مغربی مفکرین نے بھی کیا ہے۔ ان

کے نمائندے صاحبِ ثروت اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ ان کے ملکی حکم رانوں کے ساتھ بالعموم اچھے مراسم تھے، جو مختلف زاویوں کا دورہ اور سنوسی نظریات کا پرچار کرتے تھے۔ سنوسی تحریک کے قائدین کو ان کی دعوتی سرگرمیوں کے سلسلہ میں عثمانی خلافت کا مکمل تعاون حاصل تھا۔ ڈاکٹر غازی نے فؤاد شکری کے اس طویل خط کا بھی حوالہ دیا ہے جو Baskatip Saray yildiz نے سید المہدی کو ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء کو تحریر کیا تھا۔ اس خط میں اسلام کی دعوت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا تھا اور افریقہ میں عیسائی مشنری سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس خط میں وسطی اور مغربی افریقہ میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی پیش کی گئی ہیں۔ سنوسی داعیوں نے بدوی قبائل کے دلوں تک اسلام کو پہنچانے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا، جس نے عیسائی مشنریوں کے ابھرتے ہوئے طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان دعوتی اور تعلیمی سرگرمیوں کا اصل مرکز جغبوب تھا، جہاں ہزاروں داعیوں اور مشنریوں کو تربیت کے بعد افریقہ کے مختلف ممالک میں بھیجا جاتا تھا۔ جغبوب یونی ورسٹی سے جو مشہور قائدین، سیاست دان اور علماء فارغ ہوئے، ڈاکٹر غازی نے ان کی فہرست بھی پیش کی ہے۔ ان جامعات میں تعلیم کے ساتھ قیام و طعام اور دیگر سہولتیں بھی مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ کھیل اور مارشل آرٹ کی تربیت طلبہ کی جسمانی نشوونما اور صحت کے لیے انتہائی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ نہ صرف جغبوب میں خالص تعلیمی مرکز تھا، بلکہ دیگر زاویوں میں بھی اس طرح کے انتظامات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ تمام تعلیمی امور کا مرکز جغبوب تھا، جو معلمین اور تعلیمی منتظمین کے لیے پالیسی بناتا اور ہدایات جاری کرتا تھا۔ جغبوب کی اسلامی یونی ورسٹی افریقہ میں جامعہ ازہر کے بعد دوسرا درجہ رکھتی تھی۔ اس میں خواتین کی تعلیم کا بھی نظم تھا۔ معلمات طالبات کو تعلیم دیتی تھیں، جنھیں بالعموم معاشرتی ذمہ داریاں اور بالخصوص سنوسی تحریک کی ذمے داریاں سونپی جاتی تھیں۔

سید محمد بن علی السنوسی نے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کو بھی اہمیت دی۔ وہ یورپ کی شان دار مادی ترقی سے، جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے دائرے میں تھیں، بخوبی واقف

تھے۔خود انہوں نے فلکیات اور ریاضیاتی علوم کی، جو کہ شمالی افریقہ میں رائج تھے، تحصیل کی تھی۔

فؤاد شکری کے مطابق زاویے، جو ملک کے مختلف علاقوں میں موجود تھے، شہری اور دیہاتی عوام کو زبان، تاریخ، مذہب، ریاضی، کیمسٹری، زراعت اور مارشل آرٹ کی تعلیم دیتے تھے۔(السنوسیۃ: دین ودولۃ، قاہرۃ، ص۱۹)

سنوسی تعلیمی نظام میں تعلیمِ بالغان کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔اس مقصد کے لیے جمعہ اور دوشنبہ کی راتیں مخصوص تھیں، جہاں غریب اور ضرورت مند لوگوں کی ایک بڑی تعداد کی تعلیم کے ساتھ ان کے کھانے کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔تاہم یہ تعلیمی نظام اس قوت بری طرح متاثر ہوا جب بیسویں صدی کے آغاز میں سنوسی تحریک پر جنگ مسلط کی گئی اور زاویے جہادی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے اور علماء اور فضلاء کی جہادی تحریک میں شرکت نے بتدریج ان تعلیمی سرگرمیوں کو معطل کر دیا۔اس تحریک میں عوام کی تعلیم اور دعوت کی ترویج کے ساتھ ایک اہم پہلو غلاموں کی تربیت کا بھی ہے۔سنوسی تحریک نے غیر انسانی اطوار کو انسانی رخ دیا۔انہوں نے ابتدائی اسلامی روایت کو پھر سے زندہ کیا،جس میں غلاموں کو تعلیم دینے کے بعد آزاد کیا جاتا تھا، تاکہ وہ اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اپنا مثبت کردار ادا کرسکیں۔اس کے نتیجے میں آزاد ہونے والے غلام داعیوں نے افریقہ میں اسلام پھیلانے میں بڑی حد تک کام یابی حاصل کی۔محمد بن علی السنوسی نے ایک مرتبہ غلاموں کا ایک پورا کارواں خرید کر خود ان کی تعلیم وتربیت کی اور پھر ان کو وادی کے علاقے میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجا، جہاں انہوں نے نمایاں کام یابیاں حاصل کیں۔اس کے بھی شواہد موجود ہیں کہ انہوں نے جغبوب میں پچاس غلاموں کو آزاد کرنے کے بعد انہیں پھل دار باغوں پر مشتمل زمینیں بھی عطیہ کیں، تاکہ وہ اپنی ضروریات زندگی کو پوری کرسکیں۔(ص ۱۸۵۔۱۹۰)

پندرہواں باب افریقہ میں سماجی اور معاشی ترقی میں سنوسیوں کے کردار سے متعلق ہے۔سنوسی تحریک کے قائدین کی خواہش تھی کہ وہ اسلام کا سماجی اور اخلاقی بنیادوں پر احیاء کریں۔اس مقصد کے حصول کے لیے ان کی اگلی حکمت عملی یہ تھی کہ

انہوں نے علاقے میں قبائل کے روایتی ڈھانچے کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے اپنی تمام توانائیاں بدوؤں کی سماجی اصلاح اور اسلام کی تعلیمات سے انہیں باخبر رکھنے پر صرف کیں۔ اسلامی اخوت کے جھنڈے تلے ان قبائل کو ایک نیا رخ عطا کیا، اس کے نتیجے میں جلد ہی ان میں تعاون اور اخوت کی معجزاتی تبدیلیاں نظر آنے لگیں۔ سماجی اور معاشی ترقی کے لیے ان کا پہلا اقدام امن اور قانون کا قیام تھا، جو کہ سنوسی دعوتی سرگرمیوں کے لیے انتہائی ضروری تھا۔

زوایے تجارتی اور دیگر قافلوں کو پرمٹ جاری کرتے تھے، جو سنوسی اصحاب اختیار کے تعارفی خطوط پر مشتمل ہوتے تھے۔ یہ خطوط قبائل کے سرداروں کو لکھے جاتے تھے، جن کی حیثیت ایک پاسپورٹ کی تھی۔ اس کے بغیر قافلے قبائلی لوٹ مار سے بہت کم بچ پاتے تھے۔ پرامن فضا نے اس معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ تجارتی اور زراعتی سرگرمیوں پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ سنوسی ورکروں نے کنویں کھود کر بنجر زمینوں کو سیراب کیا، مختلف علاقوں میں شجرکاری کی، قافلوں کے راستوں پر سرائیں تعمیر کی گئیں، جن کے مقاصد مشنری بھی تھے اور تجارتی بھی۔ شیخ محمد بن علی السنوسی اخوان کو مسلسل مسلمان بھائیوں کی سماجی اور معاشی ترقی کے لیے ترغیب دیتے تھے۔ وہ ہاتھ سے کام کرنے والے مزدوروں کے بارے میں اپنے شاگردوں کو بتاتے تھے۔ کہ طالب علم مزدوروں سے اور دست کاروں سے افضل نہیں ہیں۔ وہ خود بھی ان سرگرمیوں میں شریک ہوتے تھے۔ سنوسی تحریک میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے تعلیمی اداروں کی قائم کی گئی جہاں پر مختلف شعبوں کی تعلیم دی جاتی تھی، جن میں معماری، آہن گری، جلد سازی، اور نسج (بننا کاٹنا) جیسی تعلیم شامل تھی۔ سنوسی کاریگروں کو اس بات کی ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کریں اور علاقے کی معاشی اور سماجی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔ گداگری سنوسی تحریک میں مطلقاً ممنوع تھی۔ کسی سنوسی ورکر کو روٹی مانگنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہر ایک کو فارم یا تعمیری علاقے میں کام کرنے کے مواقع میسر تھے۔ ہر زاویے کے ساتھ مزروعہ فارم اور

باغات تھے، جن پر زاویوں سے منسلک افراد محنت کرتے تھے۔ جمعہ کا دن سماجی اور زرعی کام کے لیے مخصوص تھا۔ ہر سنوسی اپنے تمام کام چھوڑ کر اس میں سرگرم رہتا تھا۔ طلبہ اپنی کلاسوں کو اور علماء وفضلاء اپنی کتابوں اور کتب خانوں سے الگ ہو کر ان کاموں میں جٹ جاتے تھے۔ نئی عمارتوں کی تعمیر، لوہے کا کام، وغیرہ کیے جاتے تھے۔ کوئی شخص سست ہو کر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ سنوسی کبیر خود ان کے ساتھ شریکِ عمل رہتے تھے۔ زاویوں کی سرگرمیوں میں مویشیوں کی افزائش نسل بھی کی جاتی تھی۔ زاویے اخوان کے لیے ایک سماجی کلب بھی تھے، جہاں وہ اکٹھے ہو کر کھانا کھاتے تھے۔ وہ مسافروں، بے گھروں اور گم شدہ افراد کی پناہ گاہ بھی تھے۔ زاویے کے شیخ کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے علاقے کی تجارتی اور معاشی سرگرمیوں کے متعلق معلومات حاصل کرے اور اس کی رپورٹ جمع کرائے، تجارت کرے اور اپنی آمدنی کا ایک حصہ زاویے اور تحریک کے لیے بھی مخصوص کرے۔ بچے اور نوجوان بھی شانہ بشانہ مشغول رہتے تھے، کنویں کھودتے اور بنجر زمینوں پر کام کرتے تھے۔ عام ضروریاتِ زندگی کی زیادہ تر اشیاء زاویے سپلائی کرتے تھے اور انتہائی اہم ضرورت کی اشیاء باہر سے درآمد کی جاتی تھیں۔ کفرہ شہر سنوسی تحریک کا مرکز بننے کے بعد ثقافتی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ معاشی ترقی نے اس خطے کی ثقافتی ترقی میں اہم کردار ادا کیا اور افریقہ کے بدو باشندے اور قبائل اس صدی میں مہذب، تعلیم یافتہ اور سماجی طور پر باشعور انسان بن گئے۔ ترقی کے اس عمل نے مواصلاتی نظام کو بھی ترقی یافتہ بنایا۔ سماجی، ثقافتی اور معاشرتی ترقی کے نتیجے میں مواصلاتی نظام بھی بہتر ہوا۔ مختلف علاقوں اور ممالک کے درمیان صحرائی راستے دوبارہ تعمیر ہوئے۔ پانی کے ذخیرے تعمیر کیے گئے۔ جگہ جگہ کنویں کھود کر پانی کی ضروریات پوری کی گئیں۔ زاویوں نے غرباء اور ضرورت مندوں میں خیرات تقسیم کرنے اور سماجی تحفظ باہم فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

سولھواں باب 'سنوسی تحریک بحیثیت صوفی سلسلہ' کے عنوان سے ہے۔ اس کی ابتدا میں ڈاکٹر غازی نے ابتدائی دور میں اسلام کی روحانیت کے بعض پہلوؤں کا ذکر کیا

ہے اور صوفی تحریک کے ابتدائی نقوش کی وضاحت کی ہے۔ ان کے نزدیک بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں تصوف کا رجحان علمی اور عملی شکل میں پوری دنیائے اسلام میں پھیل چکا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد تصوف میں مختلف قسم کے رجحانات سامنے آئے، جن میں سے ایک رجحان وہ ہے جو ابن القیمؒ اور ابن تیمیہ کی تحریروں سے ملتا ہے۔ انہوں نے تصوف کی مابعد الطبیعیاتی فلاسفی کے بالمقابل اسلام کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ انہوں نے بعض صوفیانہ رسوم اور روحانی تجربات کی نفی کی اور اسلام کی صحیح دینیاتی اصلاح پر مبنی روحانیت کو پیش کیا۔ دوسرا رجحان اصلاح تصوف اور تطہیرِ تصوف کا ہے، جس کا مقصد تصوف کو شریعت کے قریب لانا تھا۔ یہ رجحان شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی) کی تحریروں میں نمایاں ہے۔ تیسرا رجحان شریعت اور طریقت کے درمیان تطبیق کا ہے، جس کا مقصد تصوف کو غیر اسلامی اثرات سے پاک کرنے کے ساتھ شریعت اور طریقت کو ہم آہنگ کرنا ہے۔ یہ رجحان ہمیں سید احمد بن علی السنوسی کے ہاں نظر آتا ہے۔ (ص ۲۰۱۔۲۲۵)

سید محمد بن علی السنوسی نے جس صوفی سلسلے کی بنیاد رکھی وہ محمد بن عبد الوہاب کی مذہبی دینیات پر قائم تھا، جو سید عبد القادر جیلانیؒ اور شیخ احمد سرہندی کے اصلاحی تصوف سے ماخوذ تھا۔ سنوسی شیخ جیلانی اور شیخ احمد سرہندی کے افکار سے متاثر تھے اور مؤخر الذکر کے مکتوبات اس دور میں عربی زبان میں بلکہ عرب دنیا کے تمام صوفی حلقوں میں مقبول تھے۔ خود سنوسی کبیر نے متعدد صوفی سلسلوں سے استفادہ کیا تھا، جس کے نتیجے میں انہوں نے ایک مستقل سلسلہ کی تشکیل کی، جو دیگر سلاسل کے اصولوں اور تعلیمات سے ماخوذ تھا۔ انہوں نے تصوف کے موضوع پر اپنی مشہور کتاب 'السلسبیل المعین فی الطرائق الاربعین' میں ان تمام سلسلوں کی تفصیلات پیش کی ہیں جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے اور ان کی خصوصیات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ یہ کتاب دراصل ان کی دوسری تصنیف 'شموس الشارقۃ' کا خلاصہ ہے، جس میں انہوں نے چالیس (۴۰) سلسلوں کا تعارف کروایا ہے۔ اس میں وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ تصوف کے مختلف سلسلے طریقہ کار کے اعتبار

سے مختلف ہیں، مگر سب کا ایک بنیادی مقصد ہے یعنی روحانی تطہیر اور قربِ الٰہی۔ انہوں نے دیگر سلسلوں سے استفادہ کرنے کے ساتھ اپنے نظریات وافکار بھی پیش کیے ہیں۔

ڈاکٹر غازی کے نزدیک سنوسی سلسلے کا ایک اہم مقصد فرد کو صوفی بنانے کے بجائے ایک اچھا مسلمان بنانا تھا۔ سید سنوسی کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غزالیؒ کی اتباع میں شریعت اور طریقت میں ہم آہنگی کے متلاشی ہیں۔ غزالیؒ اور سنوسیؒ دونوں تصوف کو شریعت کا باطن قرار دیتے ہیں، جو اس کے پیروکاروں کو دنیا اور آخرت کی کام یابی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ڈاکٹر غازی نے اس موضوع پر ان کے خطاب کے کچھ نمونے بھی پیش کیے ہیں۔

سنوسی محمد بن عبد الوہابؒ کی بدعات کے ردِعمل میں سخت رویے سے متفق ہیں۔ خود شمالی افریقہ میں بہت سی خلاف اسلام بدعات رائج رہی ہیں، جن کی اصلاح کی وہ کوشش کرتے رہے۔ ڈاکٹر غازی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سنوسی تحریک کا مذہبی نظام وہابیت اور تصوف سے مرکب ہے۔ زیادہ درست الفاظ میں ابن تیمیہؒ کا دینی منہج غزالیؒ کی صوفی تعلیمات میں سمو دیا گیا ہے۔ ان کے ہاں موسیقی، رقص، تمباکو نوشی، حتیٰ کہ کافی پینے تک پر پابندی ہے۔ (ص ۲۰۳۔۲۰۸)

سنوسی سلسلہ تین اقسام پر مشتمل ہے:

۱۔ اہل التبرک: یہ لوگ سنوسی سلسلے کے باقاعدہ رکن نہیں ہوتے تھے، بلکہ زاویہ میں ان کی شرکت کا مقصد روحانی برکات کا حصول ہوتا تھا۔ یہ لوگ مقرر کردہ ذکر کو تین سو مرتبہ دہراتے تھے۔

۲۔ اہل الارادہ: یہ باقاعدہ سنوسی سلسلے کے ارکان ہوتے تھے، جو مقرر کردہ ذکر کو بارہ ہزار دفعہ ادا کرتے تھے۔

۳۔ اہل التجرید: یہ وہ لوگ ہوتے تھے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اللہ کی رضا کے حصول کے لیے وقف کر رکھا تھا اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ ان کا معمول چوبیس ہزار مرتبہ ذکر کرنے کا تھا۔ (Nicola Ziadah, Sanusiyyah:A Study Of Revivalist Movement in Islam, Leiden,1958,P.89)

سنوسی نے مختلف سلسلوں کی بعض آراء پر نقد کیا ہے اور قرون وسطیٰ کے تصوف میں موجود بعض نفسی تعذیب کو رد کیا ہے۔ ان کے نزدیک نفس یا روح کے سات (۷) مراحل ہیں، جن سے گزر کر ہی وہ اپنی منزل تک پہنچتی ہے اور اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ سنوسی کبیر نے صوفیہ کے ہاں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے اختلافات میں مصالحت کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں صوفیانہ تجربے کی مختلف جہات کو واضح کرتے ہیں اور دونوں نظریات میں ہم آہنگی کے لیے فلسفیانہ دلائل پیش کرنے کے بجائے دو مختلف روحانی تجربوں کے ذریعے ان کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔ وہ اپنی تحریرں میں اخلاص کو تصوف کا مرکز قرار دیتے ہیں اور اس کی تین اقسام بیان کرتے ہیں:

۱۔ اخلاص العوام: جس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے نیک اعمال پر کسی قسم کی تشہیر اور تعریف کا متلاشی نہ ہو۔

۲۔ اخلاص الخواص: جو صرف روحانی شخصیات کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی کوئی شخص اپنے اعمال صالحہ کے بدلے میں کسی قسم کی روحانی ترقی کا امیدوار نہ ہو۔

۳۔ اخلاص خواص الخواص: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی روحانی قوتوں سے دست بردار ہوتے ہوئے روحانی قوتوں کے حصول سے رک جائے۔

اسی طرح سنوسی نے اپنی تحریروں میں تقوی کو خصوصی اہمیت دی ہے۔

(ص ۲۰۸۔ ۲۱۲)

ڈاکٹر غازی نے سنوسی تصوف کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے بعض امتیازات بھی بیان کیے ہیں۔ مثلاً: اس کا اصل ہدف صوفی رسوم اور روحانی تجربات کبھی نہیں رہے، بلکہ تصوف حقیقی مقصد کی معرفت کا نام ہے۔ اس کے پیرو لقاء الٰہی سے قبل لقائِ رسول کو ضروری قرار دیتے ہیں، جو اسوۂ رسول کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ دوسرا امتیاز سنوسی تصوف کا یہ ہے کہ وہ ان مراسم و اعمال کی نفی کرتا ہے جن کے ذریعے ان کے سالک وجد و حال میں مبتلا ہوتے ہیں، جن میں دوران ذکر جسم کی حرکات اور موسیقی کے آلات کا استعمال بھی شامل ہے۔

سنوسی تارک الدنیا لوگ بھی نہیں تھے، بلکہ وہ مذہب کے روحانی پہلوؤں پر زور دیتے تھے۔کھانے کے لیے جو میسر ہوتا تھا، کھا لیتے تھے، اچھا اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔اس دنیا میں خوش اور مطمئن زندگی گزارنے اور آخرت میں خوش گوار زندگی کی آرزو رکھتے تھے۔ (ص ۲۱۳۔ ۲۱۴)

سترواں باب ’سنوسی کبیر بحیثیت فقیہ‘ کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔سید بن علی السنوسی بنیادی طور پر اسلامی علوم وفنون کے بڑے عالم تھے۔انہوں نے اسلامی علوم وفنون کے مختلف شعبوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور مختلف موضوعات پر تصانیف تحریر کیں، جن میں اسلامی فقہ اور قانون پر ان کی کتب کو شہرت حاصل ہے۔یہ تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔بغیۃ المقاصد وخلاصۃ المراصد

۲۔شفاء الصدور فی المسائل العشر

۳۔رسالۃ فی مسأ لتی القبض والتقلید

۴۔ازاحۃ الاکنۃ فی العمل باالکتاب والسنۃ

۵۔بغیۃ السول فی الاجتھاد والعمل باحادیث الرسول

۶۔فحم الاکباد فی سواد الاجتھاد

۷۔ایقاظ النعسان فی العمل بالحدیث والقرآن

مؤخر الذکر کتاب اسلامی فقہ کے بنیادی مباحث سے متعلق ہے۔یہ اسلام میں فقہاء کا مقام اور اسلامی قانون کے تحفظ اور ارتقاء میں ان کی خدمات، ابتدائی دور میں فقہ کی تدوین، فقہاء کی آراء اور سنت کا باہمی تعلق، اجتہاد اور تقلید جیسے مباحث پر مشتمل ہے۔ ایک اہم بحث فقہاء کے مختلف مناہج پر مشتمل ہے، جنہیں تین اقسام پر تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔منہج الاصولیین

۲۔منہج المحدثین

۳۔منہج الفقہاء

تینوں کے باہم فرق وامتیازات کو واضح کیا گیا ہے۔ان کا موقف یہ ہے کہ جو

لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے انہیں مجتہد کی تقلید کرنی چاہیے۔ اس حوالے سے انہوں نے مختلف سوالات قائم کر کے اہل علم کی آراء پیش کی ہیں۔ اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت اور مجتہد کی شرائط وصفات بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ص ۲۱۵۔ ۲۲۳)

ایک اہم نکتہ اجتہاد مطلق سے متعلق ہے۔ اس میں وہ شعرانی وغیرہ کے نقطۂ نظر کی تردید کرتے ہیں کہ ابتدائی دور کے ائمہ فقہ کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ سنوسی کے نزدیک دراصل یہ اللہ کی قدرت کا انکار ہے۔ (۲۱۵۔ ۲۲۳)

ڈاکٹر غازی کے نزدیک سنوسی چار فقہی مکاتب فکر کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے، اگرچہ وہ بہت سے مسائل میں مالکی مکتبۂ فکر (جو کہ شمالی افریقہ میں رائج تھا) کا حوالہ دیتے ہیں، مگر روزمرہ زندگی میں وہ مالکی مکتبۂ فکر کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے۔

شکیب ارسلان کے مطابق سنوسی کسی مشہور مکتبۂ فکر کے پیروکار نہیں تھے، بلکہ خود ایک آزاد مجتہد تھے۔ بعض اسکالرز کی رائے کے مطابق انہوں نے خود ایک مستقل مکتبۂ فکر کی بنیاد رکھی، جسے فواد شکری چار فقہی مکاتب کا خلاصہ قرار دیتے ہیں۔

سنوسی وہابیوں کے برعکس صوفیہ اور خانقاہوں کے معاملے میں زیادہ آزاد تھے۔ وہابی مقابر اور خانقاہوں کے معاملے میں زیادہ شدت پسند واقع ہوئے تھے، جب کہ سنوسیوں کے ہاں اس سلسلے میں کوئی شدت نہیں پائی جاتی تھی۔ مقابر اور صوفیہ کی خانقاہوں کے حوالے سے سنوسیوں کا رویہ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سنوسی کبیر کی وفات کے بعد اخوان نے ان کی قبر پر چالیس دن تک قرآن خوانی کی۔

ڈاکٹر غازی کے نزدیک سنوسیوں اور وہابیوں کے درمیان بعض اختلاف کے باوجود دو مشترکہ نکات بھی تھے:

۱۔ بدعات کی مذمت اور خاتمہ: دونوں تحریکوں نے اپنے اپنے علاقوں میں بدعات کے خاتمے میں بھرپور کامیابی حاصل کی۔ شمالی افریقہ بالخصوص مراکش میں بہت سی مذہبی بدعات رائج تھیں۔ سرینیکا میں بعض مقامی خانقاہوں کی زیارت حج کا بدل سمجھی جاتی تھی۔ روزوں کو فدیہ کے بدلے معطل کر دیا گیا تھا۔ سنوسی تحریک کے

ذریعے ان بدعات و رسومات کا خاتمہ ہوا۔

۲۔ دوسرا مشترک نکتہ ان دونوں تحریکوں کے درمیان اجتہاد کی آزادی پر اصرار ہے۔ مگر غازی صاحب اس پر متحیّر ہیں کہ ایک طرف سنوسی اجتہاد کی پرزور وکالت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ رائے کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔

اٹھارہواں اور آخری باب تجزیے پر مشتمل ہے۔ سنوسی تحریک نے مختصر وقت میں بدویانہ معاشرے میں نمایاں کام یابی حاصل کی اور ایک سو سال تک مسلسل فعال رہی۔ ڈاکٹر غازی نے اس باب میں سنوسی سرگرمیوں کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے اس کے اثرات کے دائرہ کار، اس کے مجموعی کام کا جائزہ اور اس تحریک کی کام یابیوں اور ناکامیوں کے اسباب کی توضیح کی ہے۔ اس تحریک کی سب سے زیادہ قابل توجہ چیز اس کا نظریہ ہے، جو فقط اسلام تھا۔ اس کا پروگرام فقط اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج تھی۔ اس کا سماجی اور سیاسی آئیڈیل اسلامی اخوت کا احیا تھا۔ اس کی جڑیں اسلامی معاشرے کی روحانی تطہیر میں پیوست تھیں۔ سنوسی تحریک نے قبائلی معاشرے میں تحریک کا اس طرح آغاز کیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا۔

ڈاکٹر غازی کو ان ناقدین کے نقطۂ نظر سے اختلاف ہے جو سنوسی تحریک کو ایک مستقل فرقہ قرار دیتے ہیں، جب کہ بعض اسے اخوت پر مبنی ایک تحریک گردانتے ہیں۔ مغربی مفکر اسے دیگر احیائی تحریکوں کی طرح ایک صوفیانہ تحریک قرار دیتے ہیں۔ سنوسی تعلیمات اسلام کی سادہ تعلیمات پر مشتمل تھیں، جن سے بدوی قبائل صدیوں سے مانوس تھے۔ ان کی کام یابی کا اصل سبب صرف ان کی تعلیمات کی سادگی ہی نہیں تھی، بلکہ وہ تنظیمی ڈھانچہ تھا جو پورے شمالی افریقہ میں قائم تھا۔ اگرچہ اور بھی صوفی سلسلے اس وقت موجود تھے، مگر ان کی مشنری اور روحانی سرگرمیاں منظم نہیں تھیں۔ سنوسی نظریے کی کام یابی اور امتیاز کے نتیجے میں اسے دیگر تمام صوفی سلسلوں، پر جو کہ شمالی افریقہ میں موجود تھے، برتری حاصل ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بدوی قبائل نے سنوسیوں کے سادہ اور براہ راست مطالبات کو قبول کر لیا تھا اور تصوف کے پیچیدہ نظریات کو مثلاً: عروسیہ، عیساویہ، رفاعیہ وغیرہ کے پیچیدہ افکار کو رد کر دیا تھا۔ مزید برآں سنوسی سلسلے کی

تیز رفتار ترویج نے بھی دیگر صوفی سلسلوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ سیاسی معاملات میں اپنے نظریاتی اختلافات کے باوجود اس کی بالادستی اور قیادت کو تسلیم کر لیں۔ سنوسی نظریات نے عیسائی مشنری کے اسلام کے خلاف بدنیتی پر مبنی پروپیگنڈہ کا توڑ کیا۔

سنوسی تعلیمات اور تنظیم کے نتیجے میں مختلف قبائل مسلمان ہوئے تھے۔ ان سب کو وحدت کی رسی میں پرو دیا گیا۔ تاریخ میں پہلی دفعہ یہ ممکن ہوا کہ سرینیکا، فزان اور طرابلس ایک واحد سیاسی یونٹ کی شکل میں متحد ہو گئے، جب کہ اس سے پہلے وہ تین الگ سیاسی وجود رکھتے تھے۔

سنوسی اسکیم میں کسی قسم کی علاقائی، لسانی اور نسلی تعصّبات کی گنجائش نہیں تھی۔ تحریک نے لیبیا کی شکل میں ایک آزاد اور متحد ریاست کی راہ ہموار کی۔ سنوسی تحریک کے اثرات کے نتیجے میں قریبی ممالک میں بھی استعماری قوتوں کے خلاف مدافعانہ قوتوں کی تحریک چلی، بالخصوص الجزائر میں فرانسیسی فوجوں کے خلاف عوام کو منظم کرنے میں اس تحریک کا اہم کردار رہا ہے۔ اس نے بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں لیبیا کی آزادی اور اس کے سیاسی استحکام کا بھرپور دفاع کیا۔ اس دور میں سنوسی تحریک کے عظیم قائد سید احمد کو شجاعت و بہادری، اخلاص اور قربانی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ مختلف قبائل میں ہم آہنگی کے قیام میں زاویوں کا بھی اہم کردار رہا۔

سنوسی تحریک نے شہروں اور قصبوں کی بہ نسبت خانہ بدوشوں اور دیہاتی علاقوں پر زیادہ اثرات ڈالے ہیں۔ سنوسیوں کی تیز رفتار کام یابی کی ایک بڑی وجہ اس کے بانی کی حکمت عملی اور درست طریقۂ کار تھا۔ قبائلی معاشرے میں موجود غیر اسلامی رسوم کے خاتمے کے لیے سنوسی کبیر نے وہابیوں کا منہج اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے جبر و طاقت سے ان رسوم کے خاتمے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ساری توجہ داعیانہ مشاغل پر مرکوز رکھیں۔ سنوسی اخوان کے رویے نے مذہبی اصلاحات کی راہ خود ہموار کر دی۔ سنوسی تحریک کے بانی نے تاریخ اور انسانی فطرت کے مطالعے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کوئی بھی تحریک یا انقلاب، جو متشددانہ اصلاحات پر مبنی ہو، تادیر قائم نہیں رہ سکتا۔ سنوسی قیادت نے قبائلی نظام کا بڑی

گہرائی سے مطالعہ کیا اور زاویوں کے قیام کے ذریعے تحریک کے کام کو تیز رفتار بنا دیا۔ مغربی مفکرین نے تحریک کی کامیابی کا بنیادی سبب سید بن علی السنوسی کے شخصی کردار اور اوصاف کو قرار دیا ہے، جنہوں نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت سے معاشرے کو منظم کیا اور نظم و ضبط کا پابند بنایا۔ سنوسی فکر میں موجود لچک بھی دیگر صوفی سلسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اپنے ساتھ منسلک ہونے کا ذریعہ بنی۔ سنوسی قائدین کا ایک صدی تک اس تحریک کو مستحکم رکھنا کسی معجزے سے کم نہیں۔ باوجود یہ کہ اس سے منسلک افراد دور دراز کے علاقوں سے منسلک ہونے اور مختلف لسانی، ثقافتی اور نسلی گروہوں سے تعلق رکھتے تھے۔

اس تحریک کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ ان کی مسلسل جنگوں میں مشغولیت ہے، جس کی بنا پر سید احمد الشریف اس تحریک کو اندرونی طور پر منظم کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول نہ کر سکے۔ اطالوی اور فرانسیسی جنگوں نے اس تحریک کی تنظیم میں ایک اندرونی خلا پیدا کر دیا، مگر اس کے باوجود اس تحریک نے لیبیا کے سماجی اور سیاسی استحکام میں اہم کردار ادا کیا اور اس کے اثرات خود سنوسی کبیر کی زندگی میں ہی افریقہ سے باہر تک پھیل گئے۔ اس تحریک کے وقار کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے سالانہ حج کے قافلے حجاز کے بدوی قبائل کی لوٹ مار سے محفوظ رہتے تھے۔ بہت مختصر عرصے میں سنوسیوں نے اپنا پیغام شمالی افریقہ کے پس ماندہ قبائل تک پہنچا دیا اور عربی اور بدوی قبائل میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کی۔ (ص ۲۴۱۔۲۴۹)

ڈاکٹر غازی نے اپنی اس تصنیف میں ان تمام عربی اور مغربی مصادر سے استفادہ کیا ہے جن میں اس تحریک کا تعارف اور تجزیہ کیا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ ان کا ناقدانہ قلم مغربی دنیا میں اس تحریک کے بارے میں پیدا کی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کرتا ہے۔ سنوسی تحریک کے بارے میں جاننے کے لیے ان کی یہ کتاب مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے کوئی محقق یا طالب علم بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

ترجمہ و تلخیص

اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری
ایک تجزیاتی مطالعہ

جناب محمد احمد اللہ بخاری
مترجم: ڈاکٹر محمد امان اللہ محمد ثناء اللہ

دورِ جدید کے پس منظر میں یہ ایک نیا موضوع ہے۔ اس میں دو مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ ذیل کے مضمون میں ان دونوں رایوں کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس پر مزید بحث و تمحیص کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تحقیقاتِ اسلامی اس پر اظہارِ خیال کا استقبال کرتا ہے۔ امید ہے، اسلامی معاشیات کے ماہرین توجہ فرمائیں گے۔ (جلال الدین)

نفع بخش معاشی پروجکٹس میں اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری ایک نیا مسئلہ ہے، جو گزشتہ ادوار میں فقہائے متقدمین کے یہاں معروف نہیں تھا، کیوں کہ ان کے یہاں عموماً ایسا ہوتا تھا کہ زکوٰۃ کا مال جمع کیا جاتا اور اسے مستحق افراد میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

موجودہ زمانے میں اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کے معاملے میں لوگوں نے بڑی دل چسپی دکھائی ہے، خاص طور پر اس وقت جب سرمایہ کاری کے بڑے بڑے پروجکٹس سامنے آئے ہیں اور ان سے کافی منافع حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ یہ سوالات پیدا ہوئے کہ کیا زکوٰۃ کی کل رقم یا اس کا کچھ حصہ سرمایہ کاری کے پروجکٹس میں لگایا جا سکتا ہے؟ تاکہ منافع کی شکل میں اس سے مستقل آمدنی ہوتی رہے اور اسے مستحقین پر خرچ کیا جاتا رہے۔

موضوع کو منتخب کرنے کے اسباب

اس موضوع کو منتخب کرنے کی مختلف وجوہ ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ افراد کی روزمرہ کی زندگی سے اس کا گہرا تعلق ہے اور اموال زکوٰۃ کے محتاج افراد بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

۲۔ اس مسئلے پر بحث وتحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کے جواز اور عدم جواز کے معاملے میں اسلامی مفکرین میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس سلسلے میں معتدل تصور اور درمیانی راہ واضح کی جائے۔

۳۔ موجودہ دور میں مسلم معاشرے میں لاتعداد ایسے پریشان حال ضرورت مند، فقراء اور مساکین ہیں جنھیں اموالِ زکوٰۃ سے مدد کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اس میں کوتاہی صحیح نہ ہوگی۔

مباحث

اس مقالے میں درج ذیل موضوعات زیر بحث آئیں گے:

۱۔ معاشی پروجکٹس میں اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کا حکم

۲۔ اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی شرائط

۳۔ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کے پروجکٹس کی اقسام

بحث اول: معاشی پروجکٹس میں اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کا حکم

عصر حاضر کے علما، منافع بخش پروجکٹس میں اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کرنے کے سلسلے میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔ کچھ علماء کی رائے جواز کی ہے اور کچھ اسے ناجائز بتاتے ہیں۔

پہلا موقف

بیش تر علماء کا موقف یہ ہے کہ زکوٰۃ کی منافع بخش پروجکٹس میں سرمایہ کاری جائز ہے، خواہ وہ ضرورت سے زیادہ ہوں یا نہ ہوں۔

یہ موقف اختیار کرنے والوں میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی، شیخ مصطفی الزرقاء، ڈاکٹر عبدالعزیز الخیاط، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، ڈاکٹر عبدالسلام العبادی، ڈاکٹر حسن عبداللہ

الآمین، ڈاکٹر محمد صالح الفرفور، ڈاکٹر محمد فاروق النبہان، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اور ڈاکٹر فرید واصل وغیرہ شامل ہیں۔

بعض علماء نے جواز کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ یہ اموال غریبوں کی ضروریات اور زکوٰۃ کے دیگر مصارف سے زائد ہوں۔ ان علماء میں ڈاکٹر حسین شحاتہ، ڈاکٹر حسام الدین عفانہ، شیخ صابون محمد اور شیخ احمد الخلیلی شامل ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کی رائے یہ ہے کہ سرمایہ کاری صرف اسی مال کی ہوسکتی ہے جو فی سبیل اللہ کی مد میں آئے۔

دوسرا موقف

دوسرا موقف یہ ہے کہ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری نہیں کی جاسکتی۔ اس موقف کے علماء میں ڈاکٹر محمد عطا السید، مفتی محمد تقی عثمانی اور ڈاکٹر عبداللہ علوان قابلِ ذکر ہیں۔

سرمایہ کاری کے جواز کے قائلین کے دلائل

۱۔ بعض احادیث میں مسلمان کو محنت کرنے، پیداوار بڑھانے اور سرمایہ کاری کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ مثلاً حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ ''انصار کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مدد طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟' اس نے جواب دیا: کمبل ہے، جس کا ایک حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک حصہ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہ دونوں میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ انھیں لے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: کون یہ چیزیں خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا: میں انھیں ایک درہم میں لے سکتا ہوں۔ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: کون ان کے ایک درہم سے زیادہ دے گا؟ ایک دوسرے شخص نے کہا: میں دو درہم میں لے سکتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے دونوں چیزیں اسے دے دیں اور دو درہم لے کر انھیں اس شخص کو دیا اور فرمایا: ایک درہم میں غلہ خریدو اور اپنے گھر والوں کو دے آؤ اور دوسرے درہم سے کلہاڑی

خرید کر میرے پاس لے آؤ‘ چنانچہ اس شخص نے ویسا ہی کیا۔ وہ کلہاڑی لے کر آیا تو آپؐ نے اس میں اپنے دست مبارک سے دستہ لگایا اور فرمایا: ’’جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور پندرہ دن تک نظر نہ آنا‘‘ چنانچہ وہ شخص چلا گیا، لکڑیاں کاٹتا اور فروخت کرتا رہا۔ پھر خدمت نبویؐ میں آیا اور بتایا کہ اسے دس درہم ملے تھے۔ اس نے کچھ درہم سے کپڑے خرید لیے ہیں اور کچھ سے کھانے پینے کی چیزیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

هذا خير لک من أن تجيئ المسالةُ نکتةً فی وجهک يوم القيامة، انّ المسألة لاتصلح الا لثلاثة: لذی فقر مدقع أو لذی غرم مفظع او لذی دم موجع‘‘ ۱؎

یہ اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن تیرے چہرے پر مانگنے کا داغ ہو۔ بلاشبہ مانگنا روا نہیں ہے، سوائے تین آدمیوں کے: از حد فقیر محتاج، یا بہت زیادہ قرض دار یا جس پر خون کی دیت لازم ہو۔

اس ارشاد نبویؐ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقیر و محتاج کی چھوٹی سی رقم اس کی اصل اور بنیادی ضرورت سے زائد ہو، اس کی سرمایہ کاری کی جا سکتی ہے، اس طور پر کہ سرمایہ کاری پروجیکٹ مستحق افراد کی ملکیت میں چلا جائے۔

۲۔ بعض فقہاء فی سبیل اللہ کی مد میں توسع کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک فی سبیل اللہ میں خیر و بھلائی، عوامی مفادات اور نفع بخش سرمایہ کاری کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ اس قول کو بعض فقہائے سلف اور موجودہ دور کے اکثر علماء نے اختیار کیا ہے۔ ۲؎

۳۔ بعض فقہاء کے نزدیک ضرورت ہو تو فی سبیل اللہ کی مد سے حکمرانِ وقت جنگی آلات تیار کرنے کے پروجکٹس شروع کر سکتا ہے۔ ۳؎ اسی طرح بوقت ضرورت زکوٰۃ کی رقم سے سرمایہ کاری بھی جائز ہے۔ ۴؎

۴۔ جمہور فقہاء نے ادائیگی زکوٰۃ کے لیے انفرادی ملکیت کی شرط رکھی ہے۔ عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے پیش نظر اجتماعی ملکیت کو بھی درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۵؎

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ابتغوا فی اموال اليتامیٰ لا تأكلها الصدقة** ۶؎ (یتیموں کے مال کی حفاظت کرو۔ ایسا نہ ہو وہ صدقہ میں ختم ہو جائے۔)

اس حدیث کی رو سے سر پرستوں کا یتیموں کے مال میں سرمایہ کاری کرنا درست ہے۔ زکوٰۃ کا مال بھی یتیم کے مال سے کم اہم نہیں ہے۔ ۷؎ اس رائے کے مطابق سرمایہ کاری کا پروجکٹ مستحقین زکوٰۃ کی ایک مخصوص تعداد کی ملکیت ہو۔ اس پروجکٹ کی نگرانی میں زکوٰۃ فاؤنڈیشن ان کا قائم مقام ہوسکتا ہے۔ اس طرح کی آمدنی انہی لوگوں تک محدود ہوگی، البتہ پروجکٹ کو فروخت کرنے اور ختم کرنے کا انھیں اختیار نہیں ہوگا۔

۵۔ قرآن کریم میں بس مستحقینِ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے، ان تک زکوٰۃ کس طرح پہنچائی جائے؟ اس کی صراحت نہیں ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پہنچانے کے اسباب و وسائل اختیار کرنا ایک اجتہادی امر ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ مقصد حاصل ہوجائے، اور وہ ہے زکوٰۃ کی رقم اس کے مستحقین تک پہنچا دینا۔ ۸؎

۶۔ اس معاملے میں خلافِ قیاس استحسان کے طور پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ یعنی چاہے اصولی طور پر یہ جائز نہ ہو، لیکن ضرورت کے تحت اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ۹؎

۷۔ شوافع کی رائے ہے کہ کسی غریب کو اتنا مال دیا جاسکتا ہے جو اس کی پوری زندگی کے لیے کافی ہو۔ ۱۰؎

اس رائے پر عمل کرتے ہوئے اسلامی ریاست اموالِ زکوٰۃ سے فیکٹریاں، غیر منقولہ جائیداد، صنعتی اور تجارتی ادارے قائم کرسکتی ہے اور غریبوں کو ان کا کلی یا جزوی طور پر مالک بناسکتی ہے، تاکہ ان سے ہونے والی آمدنی ان کی ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی ہو۔

سرمایہ کاری کے جواز کے منکرین کے دلائل

جن فقہاء کی رائے ہے کہ اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری جائز نہیں، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری میں خسارہ کا امکان ہے اور وہ ضائع ہوسکتے ہیں۔ ۱۱؎ کیوں کہ تجارت میں نقصان بھی ہوسکتا ہے اور نفع بھی۔ اموالِ زکوٰۃ کی نگرانی اور انتظام کرنے والوں کو حق نہیں کہ یہ خطرہ مول لیں، جس سے غریبوں کے مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔

۲۔ صنعتی، تجارتی یا زرعی پروجکٹس میں اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری سے مستحقین تک زکوٰۃ پہنچنے میں تاخیر ہوتی ہے اور یہ جمہور فقہاء کی اس رائے کے منافی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور واجب ہے۔ ۱۲؎

۳۔ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری سے اس کا ایک بڑا حصہ انتظامی کاموں میں خرچ ہو جاتا ہے۔ ۱۳؎

۴۔ زکوٰۃ حکم راں یا اس کے نمائندے کے ہاتھ میں بہ طور امانت ہوتی ہے۔ اس میں تصرف کرنے یا اس کی سرمایہ کاری کا اسے حق حاصل نہیں ہے۔ ۱۴؎

۵۔ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری سے مستحقین ان کے مالک نہیں بنتے اور یہ جمہور فقہاء کی اس رائے کے خلاف ہے، جس میں انھوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک کی شرط لگائی ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں مستحقین کی طرف نسبت 'لام' تملیک کے ساتھ آئی ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ (التوبۃ:۶۰)

(یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں۔)

جواز کے قائلین کی طرف سے منکرین کے دلائل کا رد

۱۔ یہ اعتراض کہ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری میں خسارہ کا امکان ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تجارت میں خسارہ کے احتمال کی بنا پر تجارت نہ کرنا درست نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو تو کوئی شخص اپنی رقم تجارت میں نہیں لگائے گا۔ جس طرح تجارت میں خسارہ ہو سکتا ہے اسی طرح اس میں نفع کا بھی امکان ہوتا ہے۔

۲۔ مزید برآں، فقہائے متقدمین نے غریبوں کو کرافٹ مشین، یا سامانِ تجارت مہیا کرانے کی اجازت دی ہے، تاکہ وہ اس کی سرمایہ کاری کر کے فائدہ حاصل کریں۔ ان چیزوں میں خسارے کا بھی امکان ہے، اس کے باوجود صرف خسارے کے اندیشے سے اس سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ نیز فقہاء نے زکوٰۃ کے مال کی منتقلی کے وقت اسے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے۔ ۱۵؎ اور خرید و فروخت کے عمل میں نقصان ہو سکتا ہے۔

۳۔اسی طرح کسی بھی سرمایہ کاری کے پروجکٹ کوشروع کرنے سے قبل معاشی اعتبار سے تفصیلی مطالعہ کیا جاتا ہے، جسے Feasibility study کہا جاتا ہے۔ پھر اس کی روشنی میں نفع بخش پروجیکٹس کا انتخاب کیا جاتا ہے اور جن منصوبوں میں بڑے خطرات (Risks) ہوں ان میں سرمایہ نہیں لگایا جاتا۔ ساتھ ہی معاشی میدان میں مہارت رکھنے والا ایمان دار اور انتظامی صلاحیتوں والا عملہ رکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ مال دار اور خود زکوٰۃ ادا کرنے والے ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں وہ اموالِ زکوٰۃ کی حفاظت میں زیادہ ذمہ داری اور امانت داری کے ساتھ کام کریں گے۔۱۶؎

نقصان کے خطرات کو کم سے کم کرنے کے لیے یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ متعدد پروجیکٹس میں سرمایہ کاری کی جائے، صرف کسی ایک ہی پروجکٹ میں سرمایہ نہ لگایا جائے۔ اس طرح امید ہے کہ اموالِ زکوٰۃ میں اضافہ ہوگا اور مستحقین ان سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

۴۔ یہ کہنا کہ ''اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری سے وہ مستحقین تک فوراً نہیں پہنچتے اور زکوٰۃ کی فوری ادائیگی نہیں ہو پاتی۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فوری ادائیگی اسے ریاست یا زکوٰۃ جمع کرنے والے ادارے کو سونپتے ہی ہو جاتی ہے۔ ۱۷؎ اب اسے خرچ کرنے میں وہ تاخیر بھی کر سکتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: ''میں عبد اللہ بن ابی رواحہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کے ہاتھ میں داغ لگانے کا آلہ ہے اور آپؐ زکوٰۃ کے اونٹوں پر داغ لگا رہے ہیں۔ ۱۸؎ یعنی آپ صدقہ کے ان اونٹوں پر داغ کے ذریعے ایک خاص نشان لگا رہے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ میں آنے والے اونٹوں کو کسی قدر تاخیر سے مستحقین تک پہنچانا جائز ہے، کیوں کہ اگر ان اونٹوں کو جلد مستحقین کو دے دیا جاتا تو ان پر نشان لگانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمراں اگر ضرورت سمجھے تو مستحقین تک اموال زکوٰۃ پہنچانے میں دوسرے سال تک تاخیر کر سکتا ہے۔۱۹؎

بہت سے معاصر علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ اموالِ زکوٰۃ کو مستحقین تک پہنچانے میں

ایک سال کی تاخیر کی جا سکتی ہے، اگر زکوٰۃ کمیٹیوں کے کام کی نوعیت اس کی متقاضی ہو۔۲۰؎ البتہ ضروری ہے کہ پورے مالِ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے، بلکہ ہنگامی اور ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے کچھ حصہ خاص کر دیا جائے۔

۵۔عدم جواز کے قائلین نے ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ ''اموالِ زکوٰۃ کا بڑا حصہ انتظامی اخراجات میں صرف ہوجاتا ہے۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ ان اخراجات کو'والعاملین علیھا' کی مد سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ ان اخراجات کو کم سے کم سطح تک لانے کی کوشش کریں، یا حتیٰ الامکان کم خرچ کریں۔ بہر حال ان اخراجات میں خرچ کی جانے والی رقم بے کار اور ضائع نہیں ہوتی، بلکہ متعدد ایسے افراد کو ملازمت کے مواقع مل جاتے ہیں جن کو شاید غربت و بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑتا، اگر انھیں یہ ملازمت نہیں ملتی۔ بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ انتظامی اخراجات رضا کارانہ، خیراتی فنڈز اور چندوں سے پورے کیے جائیں۔ مزید یہ کہ تیار کردہ مصنوعات کو فروخت کرتے وقت ان اخراجات کو ان کی قیمت میں شامل کر دیا جائے تو اس طرح بھی یہ مصارف پورے کیے جاسکتے ہیں۔

۶۔ یہ کہنا کہ: ''زکوٰۃ حکم راں یا اس کے نمائندے کے ہاتھ میں بہ طور امانت ہوتی ہے، جس میں اسے تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غیر تسلیم شدہ اور ناقابلِ قبول ہے، کیوں کہ فقہاء کرام نے بعض ایسے نصوص پیش کیے ہیں جن سے بعض حالات میں مال زکوٰۃ میں تصرف کی اجازت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر کبھی اموال زکوٰۃ کو فروخت کیا جاسکتا ہے، یا اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کی یہی رائے ہے۔۲۱؎ جس طرح ضرورت کے وقت مالِ زکوٰۃ کو فروخت کرنا جائز ہے، اسی طرح وقت ضرورت اس کی سرمایہ کاری بھی کی جاسکتی ہے۔

۷۔ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ''یہ اس تملیک کے اصول کے منافی ہے جسے جمہور فقہاء نے شرط قرار دیا ہے۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ تملیک پر تمام فقہاء کا اجماع نہیں ہے۔ اس مسئلے میں فقہاء کے چار اقوال ہیں:

پہلا قول: زکوٰۃ کے آٹھوں مصارف کے لیے تملیک شرط ہے۔ یہ حنفیہ کی رائے ہے، جو مال زکوٰۃ میں تملیک کی شرط کے سب سے زیادہ پابند ہیں۔ انھوں نے اسے زکوٰۃ کا ایک رکن شمار کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ کہتے ہیں: ''زکوٰۃ کی رقم سے نہ کوئی مسجد تعمیر کی جائے گی نہ اس سے کسی کے کفن کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اس میں تملیک مفقود ہے، جو زکوٰۃ کا ایک رکن ہے۔''۲۲؎

دوسرا قول: زکوٰۃ کے اولین چار مستحقین کے لیے تملیک شرط ہے، یعنی: فقراء، مساکین، عاملین (زکوٰۃ وصول کرنے والے) اور مؤلفۃ القلوب (جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی نسبت ان مستحقین کی طرف 'لام' تملیک کے ساتھ کی ہے، جب کہ باقی چار اصناف کے لیے اللہ تعالیٰ نے لام کے بجائے 'فی' کا استعمال کیا ہے۔ یہ شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے۔ 'المہذب' میں ہے: ''مصارف زکوٰۃ میں ابتدائی چار اصناف کی طرف نسبت لام تملیک کے ساتھ کی گئی ہے اور ان کے درمیان 'و' عطف لایا گیا ہے، جو شرکت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ مالِ زکوٰۃ ان کی ملکیت ہے، جس میں یہ چاروں برابر کے شریک ہیں۔''۲۳؎

تیسرا قول: پہلی چار اقسام کے مستحقین کے علاوہ 'ابن السبیل' کے لیے بھی تملیک ثابت ہے۔ یہ مالکیہ کی رائے ہے۔ ۲۴؎

چوتھا قول: تملیک کی شرط کسی کے لیے نہیں ہے۔ یہ اہلِ تشیع اور علامہ شوکانی کی رائے ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''زکوٰۃ میں تملیک ثابت کرنے کے لیے فرعی علتوں سے استدلال کیا جائے تو اس سے حجت قائم نہیں کی جا سکتی، بلکہ وہ فی نفسہ دلیل کم زور دلیل ہے۔ ۲۵؎ اس رائے کو متعدد معاصر فقہاء نے راجح قرار دیا ہے، مثلاً مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، شیخ محمد ابو زہرہ ۲۶؎، مصری دار الافتاء ۲۷؎، شیخ مصطفی الزرقاء کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ 'لام' تملیک کے لیے آتا ہے اور تخصیص کے لیے بھی۔ اگر ہم اسے انفرادی تملیک کے لیے محدود کر دیں گے تو اموالِ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والے بہت سے فوائد سے محروم ہو جائیں گے، جن کے ذریعے سے

گونا گوں مسائل کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ 'لام' میں انفرادی تملیک کا معنیٰ ہونے کی کیا دلیل ہے؟ میں تو 'ل' اور 'فی' کے درمیان کوئی فرق نہیں پاتا۔ زکوٰۃ سے متعلق نصوص میں دونوں کا استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر فقراء کے لیے قرآن کریم میں 'ل' اور حدیث میں 'فی' کا استعمال ہوا ہے۔ حدیث یہ ہے کہ ایک دیہاتی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: **اللّٰہ أمرک اُن تأخذ ھذہ الأموال من أغنیائنا، فتردّھا فی فقرائنا؟** (کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے امیر لوگوں سے صدقہ لیں اور اسے ہمارے غریب لوگوں کو واپس کر دیں؟) آپؐ نے فرمایا: 'ہاں'۔ ۲۸؎

اس اعرابی نے '**فی فقرائنا**' کہا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات کو غلط نہیں ٹھہرایا، اور اس کی تصدیق کی۔ ۲۹؎ معلوم ہوا کہ مسئلۂ تملیک قدیم و جدید فقہاء کے مابین متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ اجتماعی تملیک کو بھی درست قرار دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ عصر حاضر کے بعض علماء کی رائے ہے۔ ۳۰؎

بحث دوم: اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی شرائط

جن علمائے کرام نے اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کو جائز قرار دیا ہے انھوں نے اس کی کچھ شرائط ذکر کی ہیں، جن کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہ مندرج ذیل ہیں:

۱۔ یہ بات یقینی ہو کہ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری سے مستحق افراد کو حقیقی طور پر فائدہ پہنچے گا۔ مثلاً یہ کہ ایسا کرنے سے مستقل ذریعہ آمدنی فراہم ہو جائے گا، جن سے انھیں عزت کی زندگی گزارنے کا موقع ملے گا۔

۲۔ سرمایہ کاری کے جائز طریقے اختیار کیے جائیں، جیسے تجارت، صنعت اور زراعت۔ حرام طریقوں سے احتراز کیا جائے، جیسے: سود، رشوت، دھوکہ دہی وغیرہ۔

۳۔ ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے سرمایہ کاری میں لگے ہوئے اموال ضائع نہ ہوں، بلکہ ان سے منافع حاصل ہونے کا قوی امکان ہو۔

۴۔ سرمایہ کاری کا کام امانت دار اور تجربہ کار لوگوں کی نگرانی میں ہو۔

۵۔ سرمایہ کاری کا فیصلہ کرنے سے پہلے پروجیکٹ کی معاشی افادیت (Feasility) سے متعلق ماہر افراد باریکی سے غور کرلیں۔ اس کے بعد اگر غالب امکان ہو کہ اس پروجیکٹ سے منافع حاصل ہوگا، تبھی اس میں سرمایہ لگایا جائے۔

۶۔ ایسے شعبوں میں سرمایہ کاری کی جائے جہاں سے وقت ضرورت بہ آسانی فنڈ واپس لیا جاسکے اور مستحقین کی فوری اور ہنگامی طور پر امداد کی جاسکے۔

۷۔ کسی بھی وقت پروجکٹ تبدیل کرنا ممکن ہو، یعنی پروجکٹ میں موجود سامان کو نقد کرنسی میں فروخت کیا جاسکے۔

۸۔ اس پروجکٹ کو جب بھی کسی وجہ سے فروخت یا ختم کیا جائے تو اس کی قیمت اور اس کی باقی تمام چیزیں زکوٰۃ کے فنڈ میں لوٹ جائیں گی اور اس سے مطابق انھیں مستحقین کو دیا جاسکے گا۔

بحث سوم: اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کے پروجکٹس کی قسمیں

اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کسی ایک شعبہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے متعدد طریقے اور مختلف شعبے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً منافع بخش پروجکٹس شروع کیے جائیں، خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے اور ان سے حاصل ہونے والا منافع مستحقین میں تقسیم کردیا جائے، یا فیکٹریاں اور تجارتی عمارتیں قائم کی جائیں۔ فلسطین میں قائم 'نابلس زکوٰۃ کمیٹی' کے تحت الصفا ڈیری فارم اس کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح رفاہی خدمات کے پروجکٹس قائم کیے جا سکتے ہیں، جیسے اسپتال، کلینکس اور تعلیمی ادارے وغیرہ۔ یہ زکوٰۃ کے اداروں کی ملکیت ہوں گے اور مستحق افراد ان کی طبی اور تعلیمی خدمات سے مفت، یا جزوی یا علامتی فیس پر فائدہ اٹھائیں گے اور اگر غیر مستحق افراد ان سے مستفید ہوں گے تو ان سے مناسب فیس وصول کی جائے گی۔ مثال کے طور پر جنین زکوٰۃ کمیٹی کے تحت قائم الرازی اسپتال اور ایمان اسکول اور طول کرم زکوٰۃ کمیٹی کے تحت قائم زکوٰۃ اسپتال۔ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ فقراء کو اموالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے، تاکہ وہ خود چھوٹے پروجکٹس لگا سکیں۔ اس کا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ پروجکٹ اس غریب کی ملکیت میں دے دیا جائے اور اس کی کوئی رقم اس

سے واپس نہ لی جائے۔ تاہم عملی طور پر اموالِ زکوٰۃ کی کمی کے سبب اضطراری صورت میں زکوٰۃ کمیٹی اس پروجکٹ کی پوری قیمت واپس لے سکتی ہے۔

فقہائے متقدمین نے اس پر غور کیا اور کہا کہ مساکین کو منافع والا مال دینا جائز ہے، اگرچہ وہ اسے واپس نہ کریں۔ کیوں کہ شریعت نے جن اونٹوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے، ان میں 'نوق' یعنی اونٹنی پر زکوٰۃ رکھی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''صدقہ کی چوبیس (۲۴) اونٹنیوں تک ہر پانچ میں ایک بکری لازم ہے۔ چوبیس (۲۴) سے زیادہ ہوں پینتیس (۳۵) تک تو ایک برس کی اونٹنی ہے۔ اگر ایک برس کی اونٹنی نہ ہو تو دو برس کا اونٹ دیا جائے۔ اس سے زیادہ میں پینتالیس (۴۵) اونٹوں تک دو برس کی اونٹنی ہے۔ اس سے زیادہ ہو ساٹھ (۶۰) اونٹوں تک تو تین برس کی اونٹنی ہے، جو جفتی کے قابل ہو، اس سے زیادہ میں پچھتر (۷۵) اونٹوں تک چار برس کی اونٹنی ہے۔ اس سے زیادہ میں نوّے (۹۰) اونٹوں تک دو اونٹنیاں ہیں دو دو برس کی۔ اس سے زیادہ میں ایک سو بیس (۱۲۰) اونٹوں تک تین برس کی دو اونٹنیاں ہیں، جو جفتی کے قابل ہوں۔ اس سے زیادہ میں ہر چالیس (۴۰) اونٹوں تک دو برس کی اونٹنی ہے اور ہر پچاس (۵۰) اونٹوں میں تین برس کی اونٹنی ہے۔ بکریاں جو جنگل میں چرتی ہوں، جب چالیس (۴۰) تک پہنچ جائیں تو ایک بکری کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ اس سے زیادہ میں تین سو بکریوں تک تین بکریاں، اس کے بعد ہر سینکڑے میں ایک بکری کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ اس سے زیادہ میں تین سو بکریوں تک تین بکریاں، اس کے بعد ہر سینکڑے میں ایک بکری کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔''[۱۳]

شاید اس میں حکمت یہ ہے کہ اونٹنی ایک پیداواری سرمایہ ہے اور اس سے دودھ بھی ملتا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے والے جن لوگوں کے مال میں زکوٰۃ کی ایک بڑی رقم نکلتی ہو، وہ یہ کر سکتے ہیں کہ کسی غریب کو اتنا کچھ دے دیں کہ اس سے وہ کوئی پیداواری کام کر سکے، جو اس کے پیشے کے لیے موزوں و مناسب ہو۔ مثلاً اگر وہ بڑھئی ہو تو اسے اتنی رقم دے دیں جس سے وہ اپنی دکان کھول سکے۔ اگر وہ لوہار ہو تو اسے اتنی رقم دے دیں کہ وہ مزید ایک اور اوزار کا انتظام کر لے۔

اس طرح آپ دیکھیں گے کہ اس کے ذریعے سے سرمایہ کاری کی بہت سی ایسی راہیں نکل سکتی ہیں جو غریبوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے شریعت اسلامی کے فرضیت زکوٰۃ کے مقصد سے پوری طرح میل کھاتی ہیں۔

خلاصۂ بحث

اس موضوع کا جائزہ لینے کے بعد درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

معاصر علماء کی آراء اور جواز اور عدم جواز کے قائلین کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری جائز ہے۔ ۱۹۹۲ء میں بین الاقوامی زکوٰۃ تنظیم (الھیئۃ العالمیۃ للزکاۃ) کی جانب سے منعقد ہونے والے تیسرے سمینار میں بھی اسی کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس میں یہ قرارداد منظور کی گئی تھی:

''یہ سمینار اسلامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد کی توثیق کرتا ہے کہ منافع بخش پروجکٹس میں اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے۔ مالِ زکوٰۃ کے سلسلے میں مقصود یہ ہے کہ وہ مستحقین تک پہنچے۔ فقہی تحقیقات کے میدان میں کام کرنے والے محققین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اموالِ زکوٰۃ اور ان کی سرمایہ کاری کے احکام سے دل چسپی لیں اور ان کے سلسلے میں جو نئے مسائل سامنے آرہے ہیں ان میں غور وخوض کریں۔ ضرورت ہے کہ زکوٰۃ کے سلسلے میں بعض نئے مسائل پر مزید بحث وتحقیق کی جائے، ان کی تفصیلات پر روشنی ڈالی جائے، ان کے مخفی پہلوؤں کو مزید آشکارا کیا جائے اور اس میدان کی نظری بحثوں کو عملی صورتِ حال سے مربوط کیا جائے، تاکہ ان مسائل کا گہرائی سے فہم حاصل ہو سکے۔''

حواشی ومراجع

۱۔ سنن الترمذی، ۶۱۸، ۱۲۱۸، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب ماتجوز فیہ المسألۃ، ۱۶۴۱

۲۔ یوسف القرضاوی، مجلۃ الفقہ الاسلامی ۳۔ النووی، المجموع، ۳۵۰/۷

۴۔ علی آدم عبد اللہ، مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، النووی، المجموع: ۳۵۰/۷

۵۔ الزرقاء، مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی: ۱۱۸۳/۳

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۹۴ء، وقال: اسنادہ صحیح، ولہ شواہد من قول عمر

۷۔ الأشقر ودیگر: ابحاث فقہیہ فی قضایا الزکاۃ المعاصرۃ، شبیر: استثمار اموال الزکاۃ: رویۃ فقھیۃ معاصرۃ، ۵۲۱/۲

۸۔ الأمین، حسن عبد اللہ مجلۃ مجمع الفقہ الأسلامی: ۳/ ۱۱۷۳

۹۔ الفرفور، مجلۃ الفقہ، ۳/ ۱۱۸

۱۰۔ ملاحظہ کیجیے، ص ۴۶ ـ ۴۷، من ھذہ الرسالۃ

۱۱۔ عبد اللہ آدم: مجلۃ مجمع الفقہ ۱۲۔ علوان: احکام الزکاۃ، ص ۹۷

۱۳۔ تقی عثمانی، مجمع الفقہ: ۳/ ۱۱۳۵ ۱۴۔ آدم، مجلۃ مجمع الفقہ: ۳/ ۱۱۷۱

۱۵۔ الونشریسی، المعیار المعرب: ۱/ ۳۸۲ ۱۶۔ الخیاط، مجلۃ مجمع الفقہ: ۳/ ۱۱۹۰

۱۷۔ یوسف القرضاوی، مجلۃ مجمع الفقہ: ۳/ ۱۱۸۳

۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وسم الامام ابل الصدقۃ بیدہ، حدیث نمبر: ۱۵۰۲

۱۹۔ الحطاب: مواھب الجلیل شرح مختصر خلیل: ۲/ ۳۶۴

۱۹۔ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، ۴/ ۲۵ ۲۰۔ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی: ۴/ ۲۵

۲۱۔ الخوشی، حاشیہ الخرشی: ۲/ ۵۲۶، النووی، المجموع: ۶/ ۱۲۰، ابن قدامۃ: المغنی: ۶۷۴

۲۲۔ المرغینانی، الھدایۃ: ۱/ ۱۱۳، نظام، الفتاویٰ الھندیۃ، ابن عابدین، حاشیۃ رد المختار: ۲/ ۳۴۵، الطحاوی، السید احمد: حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار۔ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۷۵ء، ۱/ ۳۸۸، ابن الھمام، شرح فتح القدیر، مصطفی الحلبی، ۹ج، مصر

۲۳۔ الشیرازی، المھذب، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۵۹ء، ۱/ ۱۷۸، الشربینی: مغنی المحتاج: ۳/ ۱۰۶، الکیالھراسی: عماد الدین محمد الطبری، ۲۵/ ۸۰، المرداوی: الانصاف: ۳/ ۲۳۴۔

۲۴۔ الدسوقی: حاشیۃ الدسوقی: ۲۹۶ ـ ۲۹۷، الونشریسی: المعیار المعرب: ۱/ ۳۹۹

۲۵۔ الشوکانی: السیل الجرار

۲۶۔ الاشقر وآخرون: ابحاث فقھیۃ فی قضایا الزکاۃ المعاصرۃ، شبیر مبدأ التملیک مدی اعتبارہ فی صرف الزکاۃ: ۱/ ۴۱۴۔

۲۷۔ عبدہ: محمد ودیگر، الفتاویٰ الاسلامیۃ، دار الافتاء المصریۃ: ۱۰/ ۱۲۹

۲۸۔ نسائی: ۲۰۹۴ [اس حدیث میں 'علی فقراینا' ہے۔ مضمون نگار کے مطابق بعض احادیث میں 'فی فقراینا' ہے، لیکن اس کا انھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ادارہ]

۲۹۔ الزرقاء: مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی: ۳/ ۱۱۹۳

۳۰۔ ملاحظہ کیجیے: عبادی، عبد السلام، مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی: ۳/ ۱۱۸۸ ۳۱۔ مؤطا امام مالک

تعارف وتبصرہ

'برِّ صغیر کے فضلاء کی قرآنی خدمات' سیریز

ناشر: پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکزِ علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ۔۲۰۲۰۰۲
ملنے کا پتہ: براؤن بُکس، قلعہ روڈ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ،
ای میل:bbpublication@gmail.com، موبائل:91-9818897975+

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکزِ علوم قرآن، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا ایک تحقیقی وتدریسی ادارہ ہے۔اس میں قراءت اور گریجویشن کی سطح کے قرآنیات کے کورسز کے علاوہ تحقیقی وتصنیفی سرگرمیاں بھی انجام دی جاتی ہیں۔اس ادرہ سے اب تک اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔پروفیسر عبدالرحیم قدوائی جب سے اس کے ڈائرکٹر بنے ہیں، اس کی سرگرمیوں میں مزید تیزی آئی ہے۔موصوف انگریزی تراجمِ قرآن پر اتھارٹی ہیں۔اس موضوع پر ان کی کئی کتابیں ہیں۔وہ انگریزی مجلہ 'مسلم ورلڈ بک ریویو'(UK) کے مستقل قلم کار ہیں۔اس میں انھوں نے انگریزی تفاسیر اور علوم قرآنی کی بہت سی کتابوں پر ناقدانہ تبصرہ کیا ہے۔وہ مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کی تفسیر 'تفہیم القرآن' کے انگریزی ترجمہ میں ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاریؒ کے شریکِ کار رہے ہیں۔خود بھی آسان انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے۔وہ اگرچہ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ انگریزی میں پروفیسر ہیں، لیکن عرصے سے یونی ورسٹی کے اکیڈمک اسٹاف کالج، HRD–UGC سینٹر کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔چند برس سے مذکورہ مرکز علوم القرآن کے ڈائریکٹر کی اضافی ذمے داری بھی ان پر ہے۔

۲۰۱۷ء میں مرکز کے تحت ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کی کتاب 'ادارۂ سرسید مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے مشاہیرِ قرآنیات' منظرِ عام پر آئی تھی۔اس کے بعد قدوائی صاحب کی نگرانی میں 'برِّ صغیر کے فضلاء کی قرآنی خدمات' کے نام سے ایک پروجکٹ شروع کیا گیا، جس کے تحت اب تک آٹھ (۸) کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔مزید ایک درجن سے زائد کتابیں منتظر اشاعت ہیں۔ذیل میں ان کتابوں کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے:

☆ ادارۂ سر سید، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے مشاہیر قرآنیات، ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی، ۲۰۱۷ء، صفحات: ۲۳۲، قیمت: ۳۰۰/روپے۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول 'مشاہیر مرحومین' کے عنوان سے ہے۔ اس میں سولہ (۱۶) مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ ابتدا میں سر سید احمد خاں، علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کا، اس کے بعد دیگر ان حضرات کا ذکر ہے جو ادارۂ سر سید کے طالب علم یا وہاں تدریس سے وابستہ رہے ہیں اور جنھوں نے قرآنیات میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ باب دوم 'باحیات مشاہیر' پر ہے۔ اس میں پچیس (۲۵) شخصیات کا تذکرہ ہے، جن میں سے ایک خود فاضل مصنف بھی ہیں۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کے تذکرہ میں مجلہ نقوش لاہور میں شائع ہونے والے ان کے مقالات کا تو تعارف کرایا گیا ہے، لیکن ان کی کتاب 'اندلس میں علوم قراء ت کا ارتقاء' کا ذکر رہ گیا ہے۔ اسی باب میں ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی (م ۲۰۱۷ء) سابق سکریٹری ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کا بھی ذکر ہے، البتہ حاشیہ میں ان کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ باب سوم 'اداروں' پر ہے۔ اس میں ادارۂ علوم القرآن اور پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم قرآن کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ادارۂ علوم القرآن کا مسلم یونی ورسٹی سے کیا تعلق ہے؟ بس اتنا کہ یونی ورسٹی کے کچھ اساتذہ نے جو مدرستہ الاصلاح کے فارغین ہیں، علی گڑھ میں یہ ادارہ قائم کیا ہے۔ کیا محض اتنے سے تعلق پر اسے مسلم یونی ورسٹی کے خانے میں ڈالا جا سکتا ہے؟ باب چہارم میں یونی ورسٹی کے مختلف شعبوں میں قرآنی موضوعات پر لکھے جانے والے تحقیقی مقالات کی فہرست پیش کی گئی ہے، البتہ اس فہرست سے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ کون سا مقالہ ایم فل کی سطح کا ہے اور کون سا پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح کا؟ اس کتاب کی ایک کمی یہ ہے کہ اس میں شخصیات کی سوانح بالکل نہیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض شخصیات کے بارے میں یہ تک نہیں معلوم ہو پاتا کہ ان کا یونی ورسٹی سے کیا تعلق رہا ہے؟ اور وہ کس دور کے ہیں؟

☆ مدرستہ الاصلاح کے فضلاء کی قرآنی خدمات، ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی، ۲۰۱۹ء، صفحات: ۳۱۲، قیمت: ۴۰۰/روپے۔

اس کتاب میں دس (۱۰) مشاہیر کی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ وہ ہیں: مولانا اختر احسن، مولانا امین احسن، مولانا ابو اللیث، مولانا بدر الدین، مولانا صدر الدین،

مولانا ضیاء الدین، پروفیسر الطاف احمد اعظمی، مولانا عنایت اللہ سبحانی اور ڈاکٹر اجمل ایوب۔
اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مذکور شخصیات میں سے زیادہ تر کی مختصر سوانح بھی بیان کی گئی اور قرآنیات پر ان کے تصانیف کے تعارف کے ساتھ ان کے بعض قرآنی افکار سے بھی بحث کی گئی ہے۔

☆ندوی فضلاء کی قرآنی خدمات، ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، ۲۰۱۹ء، صفحات: ۱۶۸، قیمت: ۳۰۰/روپے۔

اس کتاب میں ابتدا سے اب تک کی اکتیس (۳۱) شخصیات کو شامل کیا گیا ہے۔ فاضل مؤلف نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس کتاب میں صرف انہی کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی بنیادی تعلیم ندوہ میں ہوئی اور ان کی قرآنی موضوعات پر تصانیف ہیں، اصحاب مقالات کو شامل نہیں کیا ہے۔ مصنف کا یہ تأثر بجا ہے کہ ''فضلائے ندوہ نے اپنی تقریر وتحریر کا محور و مرجع اول قرآن پاک کو بنایا، لیکن علوم قرآن کی جس قدر اور جیسی خدمت کی ان سے توقع کی جا سکتی تھی، وہ نہ ہوسکی۔'' (ص ۱۰) ندوی مترجمینِ قرآن میں انھوں نے مولانا محمد سلمان حسینی، مولانا حسان نعمانی، مولانا بلال حسنی اور مفتی سرور فاروقی کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلے انھوں نے ہر شخصیت کی مختصر سوانح بیان کی ہے، اس کے بعد ان کی قرآنی خدمات کا تعارف کرایا ہے۔

☆شیعہ فضلاء کی قرآنی خدمات، ڈاکٹر رضا عباس، ۲۰۱۹ء، صفحات: ۱۰۴، قیمت: ۲۰۰/روپے۔

یہ کتاب چھ (۶) فصول پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دو فصلیں تمہیدی ہیں، جن میں تفسیر اور علوم قرآنی کے ارتقاء میں شیعہ حضرات کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ہندوستان میں شیعوں کی آمد اور ان کے اہم مراکز کا تعارف کرایا گیا ہے۔ تیسری فصل میں دورِ سلطنت کے صرف ایک مفسر نظام الدین نیشاپوری کا مختصر تذکرہ ہے۔ چوتھی فصل میں مغل دور حکومت کے پانچ (۵) مفسرین کا ذکر ہے، جن میں سب سے زیادہ شہرت ابو الفیض فیضی صاحب سواطع الالہام کو ملی۔ پانچویں فصل میں سلطنت اودھ کی تیرہ (۱۳) اور

چھٹی فصل میں جدید دور کی چودہ (۱۴) شخصیات کی مختصر سوانح اور ان کی قرآنی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے سوانح اور قرآنیات میں کام، دونوں کا تذکرہ کرنے میں بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ معلوم نہیں، انھیں مواد زیادہ نہیں مل سکا، یا شیعہ مفسرین کا تذکرہ کتبِ تاریخ وسوانح میں کم ملتا ہے؟

☆ جماعت اسلامی کے فضلاء کی قرآنی خدمات، ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی، ۲۰۱۹ء، صفحات: ۲۰۸، قیمت ۳۵۰/روپے۔

اس کتاب میں دس (۱۰) شخصیات کا تذکرہ ہے، جن میں جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اور ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاریؒ (اسلام آباد) کے علاوہ مولانا جلیل احسن ندویؒ، مولانا ابو سلیم محمد عبد الحی، مولانا سید حامد علی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا صدر الدین اصلاحی، مولانا سلیمان قاسمی، ڈاکٹر راؤ عرفان احمد خاں اور مولانا محمد فاروق خاں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض شخصیات وہ ہیں جنھوں نے مکمل قرآن کی تفسیر لکھی ہے اور بعض نے کچھ پاروں یا سورتوں کی تفسیر کی ہے۔ ان کے تعارف کے ساتھ قرآنیات پر ان کی تصانیف کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ مصنف نے شخصیات کی سوانح بھی بیان کی ہے اور ان کے قرآنی افکار سے بھی بحث کی ہے۔

☆ اہلِ حدیث فضلاء کی قرآنی خدمات، مولانا رفیق احمد رئیس سلفی، ۲۰۱۹ء، صفحات: ۲۱۶، قیمت: ۴۰۰/روپے۔

فاضل مؤلف نے مقدمۂ کتاب میں اس موضوع پر ہونے والے سابقہ کاموں کا تذکرہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنیات پر کام کرنے والے اہلِ حدیث علماء کی طویل فہرست ہے اور مختلف زبانوں میں قرآن کے تراجم، تفاسیر اور قرآنی موضوعات پر کتب کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے معروف ترین آٹھ (۸) شخصیات کا تذکرہ کیا ہے، جنھوں نے اردو زبان میں تفسیر لکھی ہے۔ وہ ہیں: نواب صدیق حسن خاں، مولانا سید امیر علی ملیح آبادی، مولانا احمد حسن، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا عبد الرحمن کیلانی، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی اور مولانا صلاح الدین یوسف۔ انھوں نے

ہر مفسر کی مختصر سوانح عمری ذکر کرنے کے بعد اس کی تفسیر کا تعارف کرایا ہے، اس کی خصوصیات بیان کی ہیں، اس کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے اور ضمناً اس کی دیگر قرآنی خدمات کا تعارف کرایا ہے۔

☆بریلوی فضلاء کی قرآنی خدمات، ڈاکٹر محمد ایوب اکرم، ۲۰۲۰ء، صفحات: ۲۶۴، قیمت: ۵۰۰/روپے۔

اس کتاب میں ہندو پاک کے باون (۵۲) علماء کا تذکرہ ہے، جنھوں نے تفسیر وعلوم قرآنی میں تصنیف وتالیف کی خدمات انجام دی ہے۔ مصنف نے ہر ایک کے سوانحی کوائف تفصیل سے بیان کیے ہیں، جملہ تصانیف کی فہرست پیش کی ہے، جن میں قرآنی تصانیف بھی ہیں، البتہ ان کا تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔ بعض شخصیات کا تذکرہ مفصل ہے اور بعض کا مختصر۔ اس کی وجہ مصنف نے مواد کی عدم دست یابی کو قرار دیا ہے۔

☆ہند و پاک کے مشاہیر کی قرآنی خدمات، ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی، ۲۰۲۰ء، صفحات: ۲۴۰، قیمت: ۵۰۰/روپے۔

اس کتاب میں چھ (٦) شخصیات کو شامل کیا گیا ہے۔ وہ ہیں: علامہ احسان اللہ عباسی، مولانا عبد الماجد دریا بادی، انجینیر خرم مراد، مولانا محمد منظور نعمانی، ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا وحید الدین خاں۔ ان کے مختصر سوانحی احوال بیان کرنے کے ساتھ مصنف نے ان کی علمی خدمات کا بھی تعارف کرایا ہے۔ اس کے بعد ان کی تفاسیر، دروس قرآن اور قرآنی موضوعات پر تصانیف کے تذکرے کے ساتھ ان کی امتیازی خصوصیات اور منہج تفسیر کو بیان کیا ہے اور اہم مباحث کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ مصنف نے نقد ونظر سے بھی کام لیا ہے۔

☆فضلائے دیوبند کی قرآنی خدمات، ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی، ۲۰۲۰ء، صفحات: ۴۰۰، قیمت: ۶۰۰/روپے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں ان شخصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا یا تفسیر لکھی۔ ان کی تعداد تیس (۳۰) ہے۔ ان میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، مولانا محمود حسن،

مولانا اخلاق حسین قاسمی، مفتی ظفیر الدین مفتاحی، مولانا سعید احمد پالن پوری، مولانا محمد سلیمان قاسمی، اور مولانا مفتی فضیل الرحمن عثمانی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ باب دوم میں قرآن کا نامکمل ترجمہ یا تفسیر کرنے والے تیئیس (۲۳) علماء کا تذکرہ ہے۔ باب سوم میں دس (۱۰) ایسے علماء کے احوال ہیں جنھوں نے تفسیروں کی شروح، حواشی اور تراجم کی خدمت انجام دی ہے۔ باب چہارم میں انتیس (۲۹) علماء کا ذکر ہے، جنھوں نے قرآنی موضوعات پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ پانچویں باب میں فن قراءت وتجوید کی ماہر تین شخصیات (قاری ابو الحسن، قاری رحیم بخش اور قاری فتح محمد) کا ذکر ہے۔ مصنف نے کتاب میں مذکور تمام شخصیات کی سوانح بیان کی ہے، مختلف علوم میں ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے اور تفسیر وعلوم قرآن میں ان کے کاموں کا تعارف بھی کرایا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم قرآن کی یہ ایک اہم خدمت ہے۔ اس کے تحت مختلف مکاتب فکر کے علماء کی قرآنی خدمات کا مبسوط تعارف کرایا گیا ہے۔ اس سیریز کی ہر کتاب اس بات کی مستحق ہے کہ اس کا مفصل تعارف کرایا جائے، لیکن یہ تبصرہ اس کا متحمل نہیں ہے۔ البتہ اس کی ایک خامی یہ ہے کہ کتابوں کے انداز تالیف میں توازن اور یکسانیت نہیں ہے۔ کسی مؤلف نے شخصیات کے سوانح بھی تفصیل سے تحریر کیے ہیں، تو کسی نے شخصی احوال سے مطلق تعرض نہیں کیا ہے۔ کسی نے کتاب کا صرف تعارف کرادیا ہے تو کسی نے مفسر کے اہم قرآنی افکار سے بھی بحث کی ہے۔ کسی نے ہند وپاک دونوں جگہ کے علماء کو شامل کرلیا ہے، کسی نے صرف ہندوستانی علماء کو۔ کسی نے صرف ان علماء کا تذکرہ کیا ہے جو اصحاب تصانیف ہیں تو کسی نے اصحابِ مقالات کو بھی جگہ دی ہے۔ کسی نے اختصار کو ملحوظ رکھا ہے تو کسی نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اگر اس سلسلے میں سیریز کوآرڈینیٹر کی طرف سے متعین طور پر ہدایات دی جاتیں تو تمام کتابوں میں یکسانیت پائی جاتی۔

پروفیسر عبد الرحیم قدوائی اور مرکز علوم القرآن میں ان کے معاونین مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کی کوششوں سے ایک اہم اور قابلِ قدر کام انجام پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی کوششوں کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۷۷)

☆ ۳۰؍اگست ۲۰۲۰ء کو ادارہ کی مجلس منتظمہ اور مجلس عام کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں دیگر امور کے علاوہ یہ طے پایا کہ عصری تقاضوں کے پیش نظر ادارہ کے وژن اور مشن پر از سر نو غور ہونا چاہیے اور مستقبل کے منصوبوں پر مبنی نیا ڈرافٹ تیار ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جو مولانا سید جلال الدین عمری صدرِ ادارہ، جناب سید سعادت اللہ حسینی امیر جماعت اسلامی ہند، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر محی الدین غازی، اور مولانا اشہد جمال ندوی پر مشتمل تھی۔ کمیٹی نے مقررہ وقت میں اپنا کام مکمل کرلیا۔ نیا ڈرافٹ صدرِ ادارہ کی توثیق کے بعد منظور ہوگیا ہے، جسے اسی شمارے میں شائع کیا جارہا ہے۔

☆ موجودہ دور میں ابلاغ و ترسیل کے جدید ذرائع و وسائل کی اہمیت کے پیش نظر ادارہ میں ایک میڈیا سنٹر قائم کیا گیا ہے اور ITTI ALIGARH کے نام سے ایک یوٹیوب چینل شروع کیا گیا ہے۔ اس کا افتتاح جناب سید سعادت اللہ حسینی امیر جماعت اسلامی ہند نے کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ سوشل میڈیائی ناظرین کے لیے دلائل وحقائق پر مبنی دینی وعصری موضوعات کو معیاری سطح پر پیش کرنے کے لیے اس طرح کے میڈیا ہاؤس کا قیام دور جدید کا اہم تقاضا ہے۔ سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے سینٹر کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور اس کے ذریعے آئندہ انجام دی جانے والی متوقع خدمات کا تذکرہ کیا۔

☆ مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'مسلمان خواتین کی ذمے داریاں' دینی وعلمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی ہے۔ اس کے آٹھ (۸) ایڈیشن منظر عام پر آچکے تھے۔ اب مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے اس کا نواں ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ صفحات: ۵۶، قیمت: ۳۸؍روپے۔

☆ ادارہ کے منصوبہ کے تحت ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی تصنیف 'قرآن، اہل کتاب اور مسلمان' ۱۹۹۷ء میں مکتبہ تحقیق سے شائع ہوئی تھی۔ اب مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے کمپیوٹر کتابت کے ذریعے سے نئی طباعت 'قرآن اور اہلِ کتاب' کے نام سے ہوئی ہے۔ صفحات: ۳۰۴، قیمت: ۱۶۰؍روپے۔

☆ ۲۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء کو ڈاکٹر محی الدین غازی اور ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی آمد کے موقع پر ادارہ میں رفقاء و اسکالرس کے ساتھ علمی نشست کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر محی الدین غازی نے 'تحقیقی ذوق وشوق' پر قیمتی گفتگو کی۔ انھوں نے مطالعہ، بحث وتحقیق میں تحیر وتجسس

کے مقامات پر غور وفکر اور مصادر ومراجع میں قدیم وجدید دونوں مآخذ سے استفادہ پر زور دیا۔

☆ ۱۶ر جولائی ۲۰۲۰ء کو ادارہ میں ’جامع ایا صوفیا: تاریخ اور حالیہ بحث‘ کے موضوع پر مذاکرہ کا انعقاد ہوا۔ ابتدا میں مولانا کمال اختر قاسمی رکنِ ادارہ نے جامع ایا صوفیا کی تاریخ پر روشنی ڈالی، پھر رفقاء واسکالرس نے اس کے بارے میں حالیہ بحث پر اظہار خیال کیا۔ آخر میں صدرِ مذاکرہ سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے تبصرہ فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ ترکی کے عوام جامع ایا صوفیا کی ہیئتِ اصلی کی بحالی کی تمنا اور آرزو مدتوں سے رکھتے تھے۔ خود صدر رجب طیب اردگان بھی اس کی آرزومند تھے۔ صورت حال تبدیل ہوئی تو عوام کو بھی کہنے کا موقع ملا اور عدالت عالیہ نے اس قضیہ کا بے لاگ فیصلہ کردیا۔ مسجد ایا صوفیا کا فیصلہ ’حق بہ حق دار رسید‘ کے مصداق ہے۔

☆ ۱۷ر اکتوبر ۲۰۲۰ء کو ماہ نامہ ’زندگی نو‘ پر مولانا محمد جرجیس کریمی سینئر رکن ادارہ کی صدارت میں مذاکراہ کا اہتمام کیا گیا۔ رفقاء واسکالرس نے مجلہ کے مضامین اور خصوصی گوشہ ’عالمی نظریات‘ کا حاصل مطالعہ پیش کیا۔ آخر میں صدرِ مذاکرہ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہیومنزم، ترقی پسندی، لبرل ازم، جمہوریت، نیشنل ازم وغیرہ انسانیت کے گم راہ کن عناوین ہیں، جو بنیادی طور پر انکارِ خدا اور وحی الٰہی سے بے نیازی کے نتیجے میں وجود میں آئے ہیں۔ مذاکرے کی نظامت کے فرائض اسکالر ادارہ محمد اشہد فلاحی نے انجام دیے۔

☆ علمی حلقوں میں یہ خبر بہت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ مشہور محقق اور سیرت نگار پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ۱۵ر ستمبر ۲۰۲۰ء کو وفات پاگئے۔ وہ تحقیقات اسلامی کے مستقل قلم کار تھے۔ ان کی وفات پر صدر ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری نے گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا۔ موصوف کا تأثراتی مضمون شائع ہوچکا ہے۔

☆ اسی طرح وابستگان ادارہ کے لیے یہ خبر بھی افسوس ناک ہوگی کہ مشہور عالم دین مولانا امین عثمانی مختصر علالت کے بعد ۲ر ستمبر ۲۰۲۰ء کو وفات پاگئے۔ وہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی تاسیس میں شامل اور اس کے سکریٹری تھے۔ وہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی مجلس منتظمہ کے بھی رکن تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

☆ ۳ر ستمبر ۲۰۲۰ء کو انٹرویو کے بعد ایک نئے اسکالر محمد طارق بدایونی ندوی کا دوسالہ تصنیفی تربیت کورس میں اضافہ ہوا ہے۔ اس وقت ادارہ میں پانچ اسکالرس زیر تربیت ہیں۔

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۳۹، ۲۰۲۰ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
جہاد اور قتال کے احکام اوران کا پس منظر	سید جلال الدین عمری	۱	۵۔۱۰
عقلی استدلال اور علم و اخلاق کا تعلق	سید جلال الدین عمری	۲	۱۳۳۔ ۱۴۴
مدرسۃ الاصلاح اور اس کی خدمات	سید جلال الدین عمری	۳	۲۶۱۔ ۲۷۰
حالاتِ حاضرہ میں مکی عہد نبوی سے راہ نمائی	سید جلال الدین عمری	۴	۳۸۹۔۳۹۷
تحقیق وتنقید			
حیاتیاتی نظریۂ ارتقاء۔تعارف وجائزہ	ڈاکٹر محمد رفعت	۱	۱۱۔ ۳۸
ماحولیاتی آلودگی۔اسباب اور تدارک	جناب یاسر فاروق	۲	۱۴۵۔ ۱۶۴
قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر (پروفیسر غلام یحییٰ انجم کی نگارشات کا جائزہ)	پروفیسر عبدالرحیم قدوائی	۳	۲۷۳۔۲۹۲
استخراجِ احکام میں ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ کے اسالیب کا موازنہ	محترمہ صائمہ ملک	۳	۲۹۳۔۳۱۰
تشریحاتِ نبوی کی اقسام اور ان کا فقہی تجزیہ وتحلیل	ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی	۴	۴۰۳۔۴۲۰
ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمی کی علمی خدمات	سید جلال الدین عمری	۴	۴۲۱۔ ۴۳۴
بحث ونظر			
مسئلہ تکفیر۔قرآن وحدیث کی روشنی میں	مولانا ذکی الرحمن غازی مدنی	۱	۳۹۔ ۷۰
علامہ اقبالؒ کے بعض افکار	ڈاکٹر ذاکر حسین	۱	۷۱۔ ۸۰
ہندوستان میں علمِ حدیث	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲	۱۶۵۔ ۱۷۸
نعت گوئی کا فن اور بعض ہندو شعراء	ڈاکٹر محمد اسامہ	۲	۱۷۹۔ ۱۹۲
جنت میں داخلہ کی قرآنی ضمانتیں اور حدیثی تشریحات	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۳	۳۱۱۔ ۳۲۴
سائنس اور ٹکنالوجی۔اسلامی نقطہ نظر	ڈاکٹر محمد رفعت	۳	۳۲۵۔۳۳۰
اسلام میں کفالتِ عامہ کا تصور	مفتی بخت رشید	۳	۳۳۱۔ ۳۴۳
کلامِ اقبال میں قرآنی تلمیحات	ڈاکٹر علی محمد بٹ	۳	۳۴۵۔۳۶۴
بین الاقوامی تعلقات اور اسلامی قانون	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۴	۴۳۵۔ ۴۵۲
سنوسی تحریک: تاریخ، خدمات اور اثرات [ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے افکار کا مطالعہ]	جناب احمد حماد ہاشمی	۴	۴۵۳۔ ۴۷۸

سیر وسوانح

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ کی علمی خدمات	سید جلال الدین عمری	۱	۸۱_۸۶
شیخ علی متقیؒ اور ان کی تصنیف کنز العمال	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۱۹۳_۲۰۶

نقد واستدراک

حافظ غلام سرور اور ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن	ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری	۲	۷۹_۹۴
جواب استدراک	پروفیسر عبد الرحیم قدوائی	۲	۲۰۷_۲۲۲

ترجمہ وتلخیص

اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری۔ ایک تجزیاتی مطالعہ	جناب محمد احمد اللہ بخاری / ڈاکٹر محمد امان اللہ محمد ثناء اللہ	۴	۴۷۹_۴۹۲

مقالہ خصوصی

تحقیقات اسلامی کے (۳۸) سال	جناب رؤف احمد	۱	۸۷_۱۱۲
ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی: وژن، مشن اور منصوبے	ادارہ	۴	۳۹۸_۴۲۰

رپورٹ سمینار

عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز	مولانا محمد جرجیس کریمی / مولانا سراج کریم سلفی	۲	۱۰۲_۱۱۲

تعارف وتبصرہ

سیرت نبی ﷺ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۳_۱۴
اسلامی فرقے	مولانا عبد الحئی اثری	۱	۱۱۵_۱۱۷
تجوید القرآن کے رہنما اصول	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۴۱_۲۴۲
کھیل کود، تفریحات اور اسلام	مولانا عبد الحئی اثری	۲	۲۴۲_۲۴۶
نظرات فی کتاب اللہ	مولانا سید جلال الدین عمری	۳	۳۶۵_۳۶۶
برصغیر کے فضلاء کی قرآنی خدمات	مولانا محمد انس فلاحی مدنی	۳	۳۶۶_۳۶۹
قرآن کریم اور درپیش مسائل کا حل	مولانا کمال اختر قاسمی	۳	۳۶۹_۳۷۱
فتاوی علماء ہند	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۷۱_۳۷۴
'برِّ صغیر کے فضلاء کی قرآنی خدمات' سیریز	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۹۳_۴۹۸
خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۷۴)	ادارہ	۱	۱۱۸_۱۲۰
؍؍ ؍؍ (۷۵)	؍؍	۲	۲۴۷_۲۴۸
؍؍ ؍؍ (۷۶)	؍؍	۳	۳۷۵_۳۷۶
؍؍ ؍؍ (۷۷)	؍؍	۴	۴۹۹_۵۰۰

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جلد ۳۹، ۲۰۲۰ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
ادارہ	ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی: وژن، مشن اور منصوبے	۴	۳۹۸۔۴۰۲
اثری، عبدالحیٔ	اسلامی فرقے	۱	۱۱۵۔۱۱۷
,, ,,	کھیل کود، تفریحات اور اسلام	۲	۲۴۲۔۲۴۶
امان اللہ، محمد ثناء اللہ (مترجم)	اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری۔ ایک تجزیاتی مطالعہ	۴	۴۷۹۔۴۹۲
بٹ، علی محمد	کلامِ اقبال میں قرآنی تلمیحات	۳	۳۴۵۔۳۶۴
بخاری، محمد احمد	اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری۔ ایک تجزیاتی مطالعہ	۴	۴۷۹۔۴۹۲
ذاکر حسین	علامہ اقبالؒ کے بعض افکار	۱	۷۱۔۸۰
رؤف احمد	تحقیقات اسلامی کے (۳۸) سال	۱	۸۷۔۱۱۲
شید، بخت مفتی	اسلام میں کفالتِ عامہ کا تصور	۳	۳۳۱۔۳۴۳
صائمہ ملک	استخراجِ احکام میں امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ کے اسالیب کا موازنہ	۳	۲۹۳۔۳۱۰
صدیقی، محمد یٰسین مظہر	جنت میں داخلہ کی قرآنی ضمانتیں اور حدیثی تشریحات	۳	۳۱۱۔۳۲۴
عمری، سید جلال الدین	جہاد اور قتال کے احکام اور ان کا پس منظر	۱	۵۔۱۰
,, ,,	حالاتِ حاضرہ میں مکی عہد نبوی سے راہ نمائی	۴	۳۸۹۔۳۹۷
,, ,,	ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمی کی علمی خدمات	۴	۴۲۱۔۴۳۴
,, ,,	شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ کی علمی خدمات	۱	۸۱۔۸۶
,, ,,	عقلی استدلال اور علم و اخلاق کا تعلق	۲	۱۳۳۔۱۴۴
,, ,,	مدرسۃ الاصلاح اور اس کی خدمات	۳	۲۶۱۔۲۷۱
,, ,,	نظرات فی کتاب اللہ	۳	۳۶۵۔۳۶۶
قادری، حافظ خورشید احمد	حافظ غلام سرور اور ان کا انگریزی ترجمہ قرآن	۲	۲۰۷۔۲۲۲
قدوائی، عبدالرحیم	جواب استدراک	۲	۲۲۳۔۲۲۷
قدوائی، عبدالرحیم	قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر (پروفیسر غلام یحییٰ انجم کی نگارشات کا جائزہ)	۳	۲۷۳۔۲۹۲
قاسمی، ظفر دارک	بین الاقوامی تعلقات اور اسلام قانون	۴	۴۳۵۔۴۵۲
قاسمی، کمال اختر	قرآن کریم اور درپیش مسائل کا حل	۳	۳۶۹۔۳۷۱
قاسمی، محمد سلیم	تشریحاتِ نبوی کی اقسام اور ان کا فقہی تجزیہ وتحلیل	۴	۴۰۳۔۴۲۰
کریمی، محمد جرجیس	ہندوستان میں علمِ حدیث	۲	۱۶۵۔۱۷۸
محمد اسامہ	نعت گوئی کا فن اور بعض ہندو شعراء	۲	۱۷۹۔۱۹۲

محمد رفعت	حیاتیاتی نظریۂ ارتقاء۔تعارف وجائزہ	۱	۱۱۔۳۸
,,	سائنس اور ٹکنالوجی۔اسلامی نقطہ نظر	۳	۳۲۵۔۳۳۰
مدنی، ذکی الرحمن غازی	مسئلہ تکفیر۔قرآن وحدیث کی روشنی میں	۱	۳۹۔۷۰
مدنی، محمد انس فلاحی	ہندو پاک کے مشاہیر کی قرآنی خدمات	۳	۳۶۶۔۳۶۹
ندوی، محمد رضی الاسلام	بر ِ صغیر کے فضلاء کی قرآنی خدمات' سیریز	۴	۴۹۳۔۴۹۸
,,	تجوید القرآن کے رہ نما اصول	۲	۲۴۱۔۲۴۲
,,	سیرت نبی ﷺ	۱	۱۳۔۱۴
,,	شیخ علی متقیؒ اوران کی تصنیف کنز العمال	۲	۱۹۳۔۲۰۶
,,	فتاوی علماء ہند	۳	۳۷۱۔۳۷۴
ہاشمی، احمد حماد	سنوسی تحریک: تاریخ، خدمات اور اثرات	۴	۴۵۳۔۴۷۸
یاسر فاروق	ماحولیاتی آلودگی۔اسباب اور تدارک	۲	۱۴۵۔۱۶۴

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

میں ضرورت ہے

علمی پروجیکٹ: اسلامی موضوعات پر ادارہ کے مقررہ پروجیکٹ کے تحت کام کرنے کے لیے ایسے افراد سے درخواستیں مطلوب ہیں جنھیں دینی علوم میں دسترس ہو، تحقیق وتصنیف کا تجربہ ہو، نیز جن کے مقالات یا کتابیں شائع ہوچکی ہوں۔ پروجیکٹ کی منظوری کی صورت میں ادارہ ان کی خدمت میں اکرامیہ پیش کرے گا اور انہیں سینیر فیلو/فیلو/اسسٹنٹ فیلو کی حیثیت میں ادارہ سی منسلک کرے گا۔

اسکالرس: شعبۂ تصنیفی تربیت کے دو سالہ تصنیفی تربیت کورس میں داخلے کے لیے دینی اور عصری اداروں کے ایسے فارغین سے درخواستیں مطلوب ہیں جو تصنیف وتالیف کا شوق اور دلچسپی رکھتے ہوں اور امت کی علمی وفکری رہنمائی اور علمی ارتقا کے خواہش مند ہوں۔

تعلیمی لیاقت وشرائط: کسی دینی ادارے سے فضیلت/کسی کالج، یونی ورسٹی سے گریجویشن

منتخب طلبہ کو ماہانہ -/7000 روپے وظیفہ دیا جائے گا اور ادارہ کے کیمپس میں قیام کی سہولت فراہم کی جائے گی۔

امیدواران سادہ کاغذ پر اپنی درخواست مع بایوڈاٹا، پروجیکٹ کے لیے خاکہ اور اسناد کی نقول کے ساتھ اس طرح ارسال فرمائیں کہ **۱۵ر دسمبر ۲۰۲۰ء** تک دفتر ادارہ پہنچ جائیں۔

اشہد جمال ندوی
(سکریٹری)

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 39 No.4

October - December 2020

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Seeking Guidance, in the Present Scenario, from the Prophet's Makkan Period**

   Syed Jalaluddin Oman 5

2. Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-i-Islami: Vision, Mission and Plans 14

   Idara

3. Kinds of Prophetic Elucidations and Their Jurisprudential Analysis 19

   Prof. Muhammad Saleem Qasmi

4. **Academic Contributions of Dr. Ziaur Rahman Azmi** 37

   Syed Jalaluddin Oman

5. **International Relations and Islamic Law** 51

   Dr. Zafar Darik Qasmi

6. Sanusiyyah Movement: History, Contributions and Impacts 69

   [An Appraisal of the Thoughts of Dr. Mahmood Ahmad Ghazi]

   Mr. Ahmad Hammad Hashimi

6. Zakat Investment: An Analytical Study 95

   MuhammadAhamadullah Bukhari

   Tr. Dr. MuhammadAmanullah Muhammad Sanaullah

7. **Book Review** 109

Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami 115

List of Articles and writers of Tahqeeqat-e-Islami 2020 117-120

Abstract of the Articles

Seeking Guidance, in the Present Scenario, from the Prophet's Makkan Period

Maulana Syed Jalaluddin Omari

President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami

Maulana Syed Jalaluddin Umari addressed an online Seerah Conference organised by Doha, Qatar based Al-Qalam on September 4, 2020.

Before the Prophethood of Muhammad (S.A), the Arabs were indulged in shirk. The concepts of Akhirah and reward and punishment were unacceptable to them. The Messenger of Allah presented before them the beliefs of Tawheed (Monotheism), Risalat (Prophethood) and Akhirah (the Day of Judgement) and impressed upon them that faith therein may yield success in this world as well as the hereafter. Many people opposed this message; however, there were some blessed souls who responded to it in a positive manner and came to the fold of Islam. The Messenger of Allah trained them and inculcated in them high human qualities. Some persons and tribes supported him even if they did not accept his message.

With the Makkan life of Allah's Messenger (S.A) we come to know that we too should be standard-bearers of this Dawah, strive to make this Message of Truth reach out to people, and make tireless strivings to remove their misapprehensions. In addition, we should seek cooperation of the advocates of constitutional rights in the country so that we may continue to avail of the opportunities to express our ideas and disseminate our message.

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami
Vision, Mission and Plans

Idara

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami is a purely academic institution. Its purpose is to present academic explanation and elucidation of Islam and provide Islamic guidelines for the issues of modern times. It has produced considerable academic works on human rights, society, politics, etiquette and culture. There has been a department of training in writing skill in the institution right from the beginning. Many distinguished men of letters have graduated therefrom and now they are rendering services to the cause of Islam on their own. Tahqeeqat-e-Islami, the quarterly organ of the institution, has been in regular publication since 1982. Prise be to Allah, it holds a position in academic circles and the articles published therein are well received.

It was felt that there should be revamping of the academic and intellectual activities of the institution and for that cooperation of other persons should also be sought. Keeping this in view, a committee was formed and it prepared afresh a draft of its vision, mission and plans. This draft is being published here.

Kinds of Prophetic Elucidations and Their Jurisprudential Analysis

Prof. Muhammad Saleem Qasmi
Dean Faculty of Theology, Aligarh Muslim University, Aligarh
msaleem19633@gmail.com

Ahadith elucidate the Qur'an in many ways. The teachings of the Qur'an have been elucidated with greater detail in ahadith. Some ahadith elucidate the abstract

teachings of the Qur'an and clarify their ambiguity. Another kind of ahadith narrate the teachings not presented in the Qur'an, abstractly or explicitly. Likewise, some ahadith explain certain Qur'anic ayaat. Many aspects of life after death are proven by ahadith. Similarly, many ahadith which comprise duas have been extracted from the Qur'anic ayaat. This proves that there is nothing in ahadith which has no Qur'anic testimony. Some ahadith apparently appear against the Qur'an; they are either not proven or the Ulama present their explanation.

This article throws light on all these kinds of Prophetic elucidations of the Qur'an and also presents their jurisprudential analysis.

Academic Contributions of Dr. Ziaur Rahman Azmi

Maulana Syed Jalaluddin Omari

President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami

The academic contributions of Dr. Ziaur Rahman Azmi (d. 30 July 2020) are very wide. After doing his Fazilat from Jamia Darussalam Oomerabad, he did his graduation from Jamia Islamia Madina Munawwara, post-graduation from Jamia Al-Malik Abdulaziz Makkah Mukarramah, and doctorate from Jamia Al-Azhar Egypt. Then he taught in Jamia Islamia Madina Munawwara. He also enjoyed the honour of giving Dars in Masjid Nabawi. He has written many books. But he was renowned as a muhaddith. He has written umpteen books on hadith, ilm al-isnad, jarh wa ta'dil (biographical evaluations of hadith transmitters). He also edited some ancient books. Besides, his masterpiece is an

encyclopaedia of Saheeh Ahadith, which has been published as Al-Jami al-Kamil fil-Hadith al-Sahih al-Shamil in 18 Volumes.

This article throws light on his contributions and introduces in detail his Al-Jami al-Kamil.

International Relations and Islamic Law

Dr. Zafar Darik Qasmi
Post-Doctorate Fellow, Dept. of Theology (Sunni),
Aligarh Muslim University, Aligarh
zafardarik85@gmail.com

International relations are inevitable for social contacts. In the international context, if mutual relations between the various communities are developed in a cordial manner and are based on mutual concern for social welfare and reformation, their result would be positive and wide-ranging. In this legal provision, there is room available to cultivate relations with Non-Muslim communities. There are many important written documents on international relations. For example, the Madinah Charter and the Hudaibiyah Treaty. Islam permits to sign social, political and economic agreements with Non-Muslim peoples. Such agreements can be reached both in war and peace. Islam has enjoined to keep the agreements in letter and spirit. If it is against expediency to continue with the agreements, it can be rescinded but only after informing the opposite party. Islam lays emphasis on diplomatic relations and underlines the need for providing protection for diplomats.

The article discusses the above-mentioned points in an argumentative manner.

Sanusiyyah Movement: History, Contributions and Impacts

Mr. Ahmad Hammad Hashimi
Ph.D. Scholar, International Islamic University, Islamabad (Pakistan)
ahhashimi@gmail.com

The Sanusiyyah Movement of North Africa made efforts to establish a government on the basis of Shari'ah and to give moral training to its workers through tazkiya-i-nufus (sanctification of the self) and mystical activities. Muslim historians have generally blown out of proportion about this movement. Shakib Arsalan, Muhammad Tayyib al-Ashhab and Fawad Shakri have written a bit thereon. However, western writers have provided considerable information about it. In the light of all these writings, Dr. Mahmood Ahmad Ghazi has written a research book entitled "The Sanusiyyah Movement of North Africa".

This book of Dr. Ghazi consists of 18 chapters. It deals in detail with the aims and objects of the movement, its area of operation, brief life sketches of the founders of the movement, its activities and services, its armed struggles, its wars with the French and the Italians, centres of its activities, and its impacts.

This article briefly presents some discussions of this book.

Zakat Investment: An Analytical Study

Mr. Muhammad Ahamadullah Bukhari
Asst. Professor, School of Arabic and Islamic Studies
B.S. Abdur Rahman Crescent Institute of Science and Technology, Chennai
ahamadullah@crescent.education
Tr. Dr. Muhammad Amanullah Muhammad Sanaullah
Jamia Muhammadiya, Mansoora, Malegaon, Maharashtra
amanullah@yahoo.com

Zakat is an important obligation of Islam. It has been

made obligatory to ensure purification and development of wealth, to keep poor Muslims from begging and to protect them from infamy and disgrace. This is the right of needy persons, and no favour on the part of the giver. Its obligation is proved from the Qur'an, Hadith and the collective opinion of the Ummah.

Keeping in view the demands of the contemporary age, recently some jurisprudential academies have raised the issue of Zakat investment in financial projects. Therefore, most of the scholars and Ulama have deemed it permissible in the light of the rules and regulations of Shari'ah while some Ulama are of the opinion that it is not permissible.

The present article discusses the permissibility of Zakat investment, its conditions, and the kinds of financial projects in which Zakat investment can be made.

BOOK REVIEW

☆ 'Barre Sagheer ke Fuzala ki Qurani Khidmaat' Series (The Qur'anic Works of Scholars of the Subcontinent) Prof. Khaleeq Ahmad Nizami Markaz Uloom-al-Quran, Aligarh Muslim University,Aligarh-202002, Publisher: Brown Books, Qila Road, Shmshad Market, Aligarh.

Reviewed by Dr. *Muhammad Raziul Islam Nadvi*

2 نئی کتابیں

اہم عصری مسائل [تجزیہ اور حل]

پروفیسر سیّد مسعود احمد

یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں ذہنی تناؤ اور اس پر قابو پانے کے طریقے، تشدد اور جرائم کی کثرت، سکونِ قلب کا حصول، اس کی اقسام اور متعدد پہلوؤں کی وضاحت، خدا کو مانے بغیر پائیدار امن ممکن نہیں، قرآن کا تصور امن، ماحولیاتی بحران کے حل میں ٹھوس علمی و عملی تدابیر، پیہم ترقی کا قیام کیسے ممکن ہے؟ پائیدار اور حقیقی ترقی کیا اور کیسے؟ کے موضوع پر مصنف نے فکر انگیز گفتگو کی ہے۔

• سائز : $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات : 216 • قیمت: 150.00

قرآن اور اہلِ کتاب [• حکایت • عبرت • نصیحت]

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن مجید نے اہل کتاب کی جو تصویر کشی کی ہے مصنف نے نہ صرف اسے ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے، بلکہ مسلمانوں کے لیے ان کی تاریخ میں عبرت کے جو پہلو ہیں انھیں بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں نمایاں کر دیا ہے۔

کتاب میں چار ابواب ہیں جو 'یہود اور قرآن'، 'نصاریٰ اور قرآن'، 'صالح اہل کتاب کے اوصاف' اور 'اہل کتاب اور مسلمان' جیسے عناوین پر مشتمل ہے۔ امید ہے اس سے بھر پور استفادہ کیا جائے گا۔

• سائز : $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات : 304 • قیمت: 160.00

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone:26981652, 26984347 Mob:7290092401
E-mail: mmipublishers@gmail.com • **Website:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81
October-December 2020

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9412671962
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	۳۲۵/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/
۷	معروف و منکر	۱۸۵/
۸	اسلام کی دعوت	۲۲۵/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/
۱۱	تہذیب و سیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۲۶۰/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	۱۳۰/
۱۴	عورت اور اسلام • مجلد /۱۱۰ • عام	۶۰/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۱۰۵/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۴۲/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۴/
۱۸	اسلام-ایک دین دعوت	۲۵/
۱۹	دعوت و تربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں • مجلد /۱۴۰ • عام	۹۵/
۲۱	سبیل رب۔ دعوت الی اللہ کا راستہ	۴۵/
۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۴۵/
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۴۵/
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۴۳/
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۸/
۳۵	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۳۵/
۳۷	بچے اور اسلام	۱۴/
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۲۵/
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵